کی چار دیواری کے اندر ہوتے ہیں، اس لئے وہ ہوبہو ہندوستانی نفسیات اور معاشرت کے مطابق ہیں، ان خصوصیات کے ساتھ ایک ناول میں جو رومانی اور حیرت انگیز واقعات ہونے چاہئیں، ان سے بھی یہ ناول خالی نہیں، شمع اور منصور کی محبت والفت میں عشق کے سارے کرشمے موجود ہیں، بے قراری، جاں سوزی، مایوسی اور آخر میں محبت کی فتح وکامرانی، مگر ان سب کے حدود متعین ہیں، ہیرو اور ہیروئن کے حرکات وسکنات میں کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جو ہندوستانی شریف گھرانوں کے بلند معیارِ تہذیب سے گری ہوئی ہو، مصنف نے ہیروئن کے باپ اختر حسن کی موت کے بعد پھر اس کو جس طرح زندہ کیا ہے وہ پلاٹ کا بہت ہی دلچسپ اور حیرت انگیز واقعہ ہے، ناول کے کردار کے متعلق خود مصنف کا اپنا کوئی بیان نہیں ہے، پوری کتاب میں شاید ہی ان کے قلم سے دو چار جملے ایسے ملیں گے جن سے کسی فرد کی اچھائی یا برائی ظاہر ہوتی ہو، مکالمے اور پلاٹ کے واقعات سے اشخاص کے کیرکٹر خود بخود ذہن نشین ہوتے جاتے ہیں، جو ناول نگاری کا بڑا وصف ہے، شمع (ہیروئن) منصور (ہیرو) حلیمہ خانم قمرالحسن، اور طاہر کی سیرت کے مختلف پہلو بہت کامیابی کے ساتھ دکھائے گئے ہیں، طاہر کی ظرافت کا معیار شروع سے آخر تک یکساں قائم رہتا ہے، ممکن نہیں کہ اس کے جملوں اور فقروں سے لبوں پر مسکراہٹ نہ آجائے، اور یہ مسلسل ظرافت کہیں گراں نہیں گذرتی،

میری دنیا از جناب سید عقیل احمد صاحب جعفری تقطیع چھوٹی، ضخامت ۷۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، یہ غالباً مصنف خیرآباد ضلع سیتاپور سے ملیگی،

مصنفِ کتاب موروثی شاعر اور مذہب وملت کا درد رکھنے والے مسلمان ہیں، انکی شاعری کا موضوع قومیات ہے، میری دنیا انکی قومی وسیاسی نظموں کا مجموعہ ہے، اس میں زیادہ تر سیاسی اور بعض تاریخی اور مذہبی نظمیں ہیں، ان میں شاعری کے مقابلہ میں واقعہ نگاری کو ترجیح دیگئی ہے، تاریخی اور مذہبی نظمیں زیادہ موثر ہیں" (م ع)

جلد ۴۸ ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۱ء عدد ۴

مضامین

شذرات

اس نمبر کے سر مقالہ میں ایک اہم اسلامی مسئلہ کی تحقیق کی طرف حضرات علمائے کرام کو متوجہ کیا گیا ہے، امید ہے کہ ان میں سے وہ حضرات جو فقہی مسائل میں بصیرت رکھتے ہیں، اس کی طرف توجہ فرمائیں گے، بحث صرف خالص فقہی نقطۂ نظر سے ہو، حشو و زوائد اور طعن و طنز سے پرہیز کیا جائے،
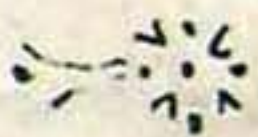
رحمتِ عالمؐ کے ہندی ترجمہ کے لئے حسب ذیل اصحاب کی طرف سے امدادی رقمیں وصول ہوئیں،

ایک پروفیسر از حیدرآباد دکن ما،

ایک پروفیسر از رانچی بہار، صہ

عبدالرزاق سعید بن عمر از بمبئی، صعہ

مجیب الحق صاحب بختیار پور مونگیر، صہ

اس رقم میں سے اس کے ہندی ترجمہ میں صہ روپیے خرچ ہوئے، باقی چھپائی میں تقریباً ... کی ضرورت ہوگی، مالعہ موجود ہے، باقی ... کی کمی ہے،

مولانا شبلی مرحوم کی مشہور تصنیف الکلام جس میں اسلامی عقائد پر متکلمانہ بحث ہے، بار بار چھپ

چکی ہے، لیکن اب دار المصنفین نے اسکا ایک نیا اڈیشن شائع کیا ہے، جسکے شروع میں اڈیٹر معارف کے قلم کا ایک دیباچہ ہے جسمیں کتاب کے بعض مسائل پر تبصرہ ہے، اور کتاب میں جا بجا مفید حواشی ہیں جن سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں، اور اگر کتاب میں کوئی غلطی رہ گئی ہے تو اسکی تصحیح کر دیگئی ہے، ان وجوہ سے اب یہ کتاب ان لوگوں کے لئے مفید بلکہ ضروری ہے، جن کے پاس اسکا پہلا اڈیشن ہو،

جس طرح کسی انسانی جسم میں فاسد مادے جمع ہو جاتے ہیں تو بخار، درد اور دوسرے عوارض پیدا ہو جاتے ہیں، اور جب وہ فاسد مادے نکل جاتے ہیں تو جسم میں صحت کا نور چھلکنے لگتا ہے، اسی طرح لڑائی دنیا کے جسم میں فاسد مادوں کے اجتماع کا لازمی نتیجہ ہے، اس لئے اگر اس وقت دنیا خون میں نہا رہی ہے تو اس سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں، ممکن ہے کہ وہ اس غسل سے نکھر رہی ہو،

یہ تو صاف نظر آتا ہے کہ جو قومیں اپنی قوت کے غرور میں خدا کو بھولی ہوئی تھیں، اس مشکل کے وقت میں اب اوسی کا سہارا ڈھونڈ رہی ہیں، بالشویک روس ابھی زندہ ہے مگر اس کے ماننے والوں کے ایمان میں فرق پیدا ہو چلا ہے، یہاں تک کہ خود اس کو اپنی مذہبی ناطرفداری کا اعلان کرنا پڑا،

جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا،

دولت کی بہتات، تمدن کے فساد اور اخلاق کے بگاڑ کا سبب ہے، اس لئے قرآن نے بتایا ہے، اور تاریخ نے اسکی تصدیق کی ہے کہ انسانیت کی بہت سی تمدنی برائیاں دولت کی افراط کا نتیجہ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ	اور ہم نے کتنی آبادیوں کو جو اپنی دنیا کے عیش
مَعِيْشَتَهَا ج فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ	میں اترا رہی تھیں برباد کر ڈالا، یہ ہیں ان کے
تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ط وَ	رہنے کے مقامات جن میں پھر کوئی نہیں بسا
كُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِيْنَ (قصص)	مگر کم، اور ہم ہی اس کے مالک رہ گئے،

کم نگاہ انسان خدا کے ہاتھ کو گوشت پوست کی صورت میں اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھنا

چاہتا ہے، حالانکہ اس کے انتقام کا ہاتھ آگ، پانی، بجلی، زلزلہ، وبا، لڑائی، غرض ان مختلف شکلوں میں نظر آتا ہے جن سے گنہگار قومیں ہلاک ہوتی رہی ہیں،

تاریخ کے ظاہر بیں برباد شدہ قوموں میں عاد، ثمود، فرعون قوم صالح وغیرہ ناموں کو سنکر غیر تاریخی وجود کا شبہہ کرتے ہیں، حالانکہ غیر تاریخی یہ بھی نہیں، تاہم ان کی تاریخی قوموں میں بھی اس انجام کی مثالیں کم نہیں، قدیم یونانی کیا ہوے، روما کے بسنے والے کہاں ہیں، کارتھیج کے بہادر کدھر گئے، سیتھینس کہاں ہیں، بابل، نینوی اور مصر میں خدائی کا دعوی کرنے والے کدھر گئے، ایران کے پاک نژاد کیانی کس سیلاب میں بہ گئے، سلجوق، غزنی، غوری، دیلم کہاں گئے، کیا ان میں سے ہر قوم قرآن پاک کے دعوی کی شہادت نہیں،

جو کچھ کل ہوا ہے وہ آج بھی ہوگا، عاد، ثمود، فرعون، نمرود کے مثالی پیکر ہر زمانہ میں ہوئے ہیں اور ہر زمانہ میں ہوں گے، ان کے پیکر بدلتے رہتے ہیں لیکن حقیقت نہیں بدلتی اسی طرح قومی بربادیاں بھی ہر زمانہ میں بھیس بدل بدل کر آتی ہیں، مگر اسکی حقیقت عذاب الٰہی ہی کی ہے جو کبھی نہیں بدلیگی، غفلت کا ماتا انسان جس طرح ہر مصیبت کو کسی مادی سبب کا نتیجہ بتا کر اپنی جگہ پر مطمئن ہوجاتا ہے اور آخر برباد ہوجاتا ہے، اسی طرح غفلت شعار قومیں بھی مادی اسباب میں چھپی ہوئی حقیقت سے نا آشنا رہ کر فنا ہوجاتی ہیں،

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ○ (حج)	اور کتنی آبادیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا کہ وہ گنہگار تھیں، تو وہ اپنی گری ہوئی چھتوں سمیت اجڑ گئیں، اور بیکار ہو گئے ہوے کنووں اور اونچے محلوں

مقالات

شریعت اسلام

اور

موجودہ ہندوستان مین کاشتکارونکے حقوق

زمیندار اور کاشتکار اور سرمایہ دار اور مزدور کی جنگ شاید دنیا کی ساری لڑائیون سے زیادہ پرانی ہے، دنیا مین بیسیون مذہب اور تمدن کے اصول بنے اور بگڑے اور سبنے بقدر ضرورت اس مشکل کو حل کرنے کی کوشش کی، مگر اصلاح کے مختصر دور کے بعد وہ مشکل پھر بعینہٖ قائم رہی، ایک زمانہ تھا جب زمیندار و سرمایہ دار برسر عروج تھے، اور وہ جو چاہتے تھے کرتے تھے، لیکن مشینون اور کارخانون کی کثرت اور سرمایہ داری کے عجیب عجیب ہتھکنڈون نے مزدورون اور کسانون کو مجبور کیا کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کیلئے کمربستہ ہون،

یہودی قوم نے نبوت و سلطنت کی خدائی نعمتون سے محرومی کے بعد جب سے خدا کے غیظ و غضب اور لعنت کی مستحق ٹھہری ہے، دنیا کی ہر آفت اور گمراہی کی رہنمائی کا فرض اپنے ہاتھ مین لے لیا ہے، دنیا کے عظیم الشان مذاہب یہان تک کہ عیسویت اور اسلام مین تو تو مذہبی فتنون کی پیدائش کی خدمت انہی نے انجام دی، ایک فرانسیسی

نے بائیس برس ہوئے کہا تھا کہ یورپ مین جو فتنہ اٹھتا ہے خوب غور سے دیکھئے تو اس کے اندر کسی نہ کسی یہودی کا ہاتھ ملے گا،

اس وقت یورپ اور امریکہ کے سب سے بڑے دولتمند مہاجن اور سرمایہ دار یہودی ہین، دوسری طرف عوام کی رہبری کا منصب حاصل کرنے کے لئے اور اپنی قوم کے سوا دوسرون کو سرمایہ داری کی لعنت سے بچانے کے لئے بھی انہی کا ہاتھ بلند ہوا، کارل مارکس یہودی کی کتاب اس نئی شریعت کا صحیفہ ہے، روس کا انقلاب انہی کے ہاتھون عمل مین آیا، اور ملک کی اکثریت پر انہی کی کثرت نے قبضہ جمایا،

بہر حال یہ ایک ضمنی بات تھی، اور عجب نہین کہ ان چند سطرون کی خاطر مجھے صفحون کی سخت تنقید برداشت کرنی پڑے،

سوال یہ ہے کہ آیا اسلام جو دین و دنیا دونون کی برکتین لیکر آیا، اور جس کا نظام عمل ہر قسم کے نظامات سے بہتر اور مکمل ہے، وہ اس باب مین کیا کہتا ہے، اس سلسلہ مین سب سے پہلے ایک خاص مسئلہ سے بحث ہے، جس کی اہمیت ہندوستان مین روز بروز بڑھتی جاتی ہے، اور بڑھتی جائے گی، یعنی کسانون اور کاشتکارون کے حقوق، عام متداول کتب فقہ مین یہ مسائل پوری تفصیل سے نہین ملتے، جستہ جستہ علماء کے اشارات اور اجتہادات ہین، اور ایک شخص کا تنہا شریعت کے کسی ایسے مسئلہ پر جس مین اجتہاد و اختلاف کا دروازہ کھلا ہو ذمہ داری کے ساتھ لکھنا مشکل ہی، اور لکھا بھی جائے، تو اس کا قبول عام حاصل کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے، اسکی شکل یہی ہے کہ ہر فریق اپنے دلائل سے پورے سکون اور ہمدردی کے ساتھ دیانۃً دوسرے کو مطلع کرے تاآنکہ مسئلہ کا ہر پہلو روشن ہو کر صورت مسئلہ منقح ہو جائے اور مسلمانون کے عمل اور کاروبار کے لئے راستہ کھلے،

اتفاقِ وقت سے چند مہینے ہوئے کہ کلکتہ سے ایک استفتاء موصول ہوا جس پر بعض علماء کے جوابات تحریر تھے، اسی سلسلہ مین خیال ہوا کہ اسی استفتے کو بنیاد بنا کر تحقیق کا دروازہ کھولا جائے، اور علمائے کاملین سے استصواب کیا جائے، اور درخواست کی جائے کہ وہ اس کے متعلق پوری دیانت اور متانت سے تحریر فرمائین، اس فتوے مین مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی تحریر بہت مختصر ہے، مجھے معلوم ہے کہ بعض اور علمائے دیوبند و تھانہ بھون نے بھی اس مین وہی رائے ظاہر کی ہے جو جناب مفتی صاحب نے ظاہر کی ہے، مگر ضرورت ہے، کہ اس پر مفصل دلائل پیش کئے جائین، مین نے جناب مفتی صاحب دام فضلہ سے زبانی بھی اور تحریرًا بھی عرض کیا ہے، کہ وہ فرصت کا وقت نکال کر اس اہم مسئلہ پر توجہ فرمائین کہ آئندہ مسلمانون کی معاشی زندگی کا تعلق اس سے اور بھی روز بروز زیادہ بڑھتا جائے گا، اور کاشتکارون کے حقوق اور وسعت پائین گے،

یہ بات ذہن مین رہے کہ دائمی استمراری بندوبست صرف بنگال و بہار اور یوپی کے دو تین مشرقی اضلاع مین ہے، اور اس مین اراضی حکومتِ وقت کی براہِ راست ہین، جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے،

والسلام

سید سلیمان ندوی

استفتاء

کیا فرماتے ہین علمائے دین مسائل ذیل مین،

(۱) کاشتکاری پر جسکو عرف مین موروثی کہتے ہین زمیندار کو قانونًا یہ حق حاصل ہے کہ خود اس زمین مین کاشت کرے یا کسی دوسرے سے کاشت کرائے، اور پیداوار کو اپنے تصرف مین لائے،

اورجو لگان سرکاری طور پر مقرر ہوچکا ہے، وہی لگان زمیندار کو ادا کرے، زمیندار کو اس مین سوائے لگان مقررہ کے اور کوئی حق نہین، نہ وہ کھیت نکال سکتا ہے اور نہ لگان ہی زیادہ کرسکتا ہے، تو کیا یہ کاشت کاری شرعًا درست ہے یا نہین ؟

(۲) ان اطراف مین موروثی کو رہن بھی رکھتے ہین، اور روپئے سے اپنا کام چلاتے ہین اس قسم کی موروثی رہن رکھنا شرعًا جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) اگر کسی کاشتکار کا انتقال ہو جائے اور تین لڑکے ایک لڑکی چھوڑے، تو اس کی کاشت کاری سے وراثت جاری ہوگی یا نہین، بصورتِ اوّل تخریج کس طرح ہوگی ؟

الجواب

(۱) موروثی کاشت کا قانونًا کاشت کار مالک ہے، زمیندار نے اس قانون کو قبول کرلیا ہے، اس لئے جب تک قانون رائج ہے، یا یہ قانون نہ بھی ہو، اور زمیندار مقررہ حق لینے پر راضی رہے، تو درست ہے، واللہ اعلم

(۲) رہن جائز ہے مگر اس سے انتفاع ناجائز ہے، واللہ اعلم،

(۳) وراثت جاری ہوگی، اس لئے کہ قانون نے اسکو مالک بنادیا ہے، واللہ اعلم

ابوالبرکات عبدالرؤف عفی عنہ

الجواب

عٹ ۱۶۰۰ جواب کے تینون نمبر درست نہین، نمبر اول کا جواب یہ ہے کہ یہ قانون غیر شرعی ہے، زمیندار کا اسکو تسلیم کرنا خوشی و رضامندی سے نہین ہے، بلکہ مجبوری سے ہے، اس لئے کاشتکار

پر فرض ہے کہ یا تو وہ زمیندار کی حقیقی رضامندی حاصل کرے یا زمین چھوڑ دے (نمبر ۲) کاشت کار زمین کا مالک نہین اس کو صرف حقِ کاشت حاصل ہے، جو قانون رائج الوقت نے مثل ملک کے قرار دیدیا ہے، اس لئے حقِ کاشت کی رہن تو نہین، مگر موجر کی اجازت حقیقی ہو تو کاشتکار اجارہ پر دیسکتا ہے (نمبر ۳) اس حقِ کاشت مین وراثت جاری نہیں ہوسکتی، اور قانون نے بھی کاشت کار کو زمین کے رقبہ کا مالک نہین بنایا ہے، بلکہ اس کے قبضہ کو مستقل کیا ہے، اور وراثت حکم شرعی ہے، وہ کسی قانون خلافِ شریعت اساس پر جاری نہیں ہوسکتا،

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

ازمولنا عبدالرؤف صاحب

۱- جہان تک مین سمجھ سکا یہ اعتراضات کسی صحیح فقہی اصول پر مبنی نہین ہین، اگر ہندوستان دارالحرب ہے، تو مستامن قوانین کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے، اس کے علاوہ اراضیات کے ملک مین زمیندار کا قانون کو قبول کرلینا اور کاشت کار سے بجز مقررہ حق وصول کرنا زمیندار کی رضامندی کی دلیل ہے،

۲- کاشت کار زمین مین ہر طرح کا تصرف کرسکتا ہے، اور مالک وہی ہے جو ملک مین ہر طرح کے تصرف کا حق رکھے، زمیندار حقِ مقررہ لینے کے سوا زمین مین کوئی تصرف نہین کرسکتا اسلئے وہ مالک نہین ہوسکتا،

۳- جب کاشت کار مالک ہے، جیسا کہ نمبر ۲ سے معلوم ہوا، تو اس میں شرعًا وراثت بھی جاری ہوگی،

یہ مسائل بڑے اہم ہین اور اس مین بڑی غلط فہمیان ہورہی ہین، اس کا اثر سارے ہندوستان کے مسلمانون کی معیشت پر پڑے گا، چونکہ جناب مفتی صاحب نے یہ تحریر لکھی ہے اس لئے

امید ہے کہ اس مسئلہ پر وہ زیادہ تعمقِ نظر سے غور فرمائین گے، اور موجودہ حالات کو پیش نظر رکھکر اس مسئلہ کو صاف فرمائین گے،

اس ملک مین نہ اسلامی قانون رائج ہے، نہ کاشتکار یا زمیندار منفرداً اس کو بدل سکتے ہین، اس قانون کے قبل زمینداروں کا صحیح اصول سے زمین کا ہر جگہ مالک ہونا ثابت ہوتا ہے، تاریخون سے ثابت ہے کہ بہت جگہ ان کا غاصبانہ قبضہ تھا، یا باغیانہ دخل تھا، قانون نے ملک وحقوق کا ایک فیصلہ کیا، ملک کے باشندے بجبر یا بخوشی اس قانون پر رضامند ہو گئے،

کیا غیر اسلامی ملک مین جہان قانون مسلمانون کے اختیار مین نہ ہو، وہان یہ فتوی دینا جائز ہے، کہ اس ملک کے قانون کے موافق زمین سے کسی طرح کا انتفاع حاصل کرنا مسلمانون کے لئے جائز نہین ہے، کیا اس طرح کی کوئی نظیر موجود ہے، ؟ اسلئے جب تک قانون بدلا نہ جائے، زمین کا مالک کاشتکار رہے، اسکو قانوناً بیع وشرا واجارہ ورہن اور ہیئت کا تغیر وتبدل کرنا اور ہر طرح کے تصرف کا اسکو قانوناً حق ہے، زمیندار کو کسی طرح کے تصرف کا کوئی حق نہین، وہ صرف مقررہ مالگذاری لے سکتا ہے، اسی قانون کی بنا پر عرصۂ دراز سے عمل ہے، بیع وشرا جاری ہے، اور قانونی طور پر تبدیلِ ہیئت ہو چکی ہے، اب تو وہ زمیندار ہین، جو زمینداریان خریدتے وقت بھی جانتے تھے، کہ زمین مین تصرف کا ہمین کوئی حق نہین، نہ وہ ملک کا دعوی کرتے ہین نہ کر سکتے ہین، فقط واللہ اعلم

ابو البرکات عبد الرؤف ۱۰ ارشوال ۱۳۵۶ھ

۳ ر دسمبر ۱۹۳۸ء

توضیح ہندوستان کی کاشت کا مختلف علاقون مین مختلف انتظام ہے، بعض جگہ حکومت بلا واسطہ زمیندارون کے خود کاشتکارون سے خراج وصول کرتی ہے، اور زیادہ مقامات

مین یہ انتظام ہے کہ حکومت حقِ شاہی زمیندارون سے وصول کرتی ہے، اور زمیندار کاشتکارون سے مالگذاری لیتے ہین،

حکومت کا عام شاہی قبضہ ملک کی اراضی پر تھا، اور کاشتکار حکومت کی اجازت سے (بضرورتِ کاشت) اس پر متصرف تھے، درمیان مین یہ زمیندارون کا طبقہ کیسے پیدا ہوا، یہ قابل تحقیق ہے، جہان تک تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے، زمینداری کے پیدا ہونے کی وجہ مختلف ہے، شاہی زمانہ مین مختلف وجوہ سے کچھ علاقے معزز اشخاص کو دیدیے جاتے تھے، شاہی خراج ان کو دینا پڑتا تھا، کاشتکارون سے مالگذاری وصول کرنا یا کاشتکاری کا بدل دینا، ایک سے لیکر دوسرے کو دیدینا، یا بلا واسطہ خود اپنے ہاتھ سے یا اپنے ملازم سے کاشت کرانا، یہ سب حق ان کو حاصل تھے، ایسی زمینداریان بعض جگہ وراثۃً کسی خاندان مین چلی آرہی ہین، یا بیع وشرا کی وجہ سے مختلف لوگون مین منتشر ہو گئی ہین، مگر اختیارات وہی باقی ہین، دوسری قسم زمینداری کی یہ ہے کہ شاہی سلطنت جب کمزور ہو گئی، تو مختلف قوی اور طاقتور اشخاص بعض بعض علاقون پر قابض ہو گئے، اور وہان کے کاشتکارون سے جبراً مالیہ وصول کرنے لگے، اور مالک بن گئے،

ایسی زمینداریان ان کے خاندان مین موجود ہین، یا انہی خاندانون کی بکی ہوئی دوسرے خاندانون مین منتقل ہو گئی ہین، یہ قبضہ کرنے والے زیادہ تر ڈاکو اور مفسد لوگ تھے، یا مرہٹے جو اس وقت خود سر ہو کر ہر جگہ ظلم کر رہے تھے، تیسری قسم یہ ہے، کہ انگریزون نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا، تو کاشتکارون سے مالیہ وصول کرنے کے لئے ایک ایک محدود علاقہ ایک ایک آدمی کے ساتھ بندوبست ہوتا تھا، میعاد مقررہ کے بعد دوبارہ اسی پہلے آدمی کے ساتھ بندوبست ہو جاتا تھا، کیونکہ وہی علاقہ کے حال سے واقف ہوتا تھا، دوسرے کیساتھ بندوبست کرنے مین

دقتین پیش آتی تھین، البتہ مالیہ کے تخمینہ مین ہر بندوبست کے وقت فرق ہوجاتا تھا، اور اکثر مقدار بڑھادی جاتی تھی، موروثی حق کا قانون جس کو مفتی صاحب ناجائز اور غیر شرعی کہتے ہین، اوسکی بنیاد یہ ہے کہ یہ اخیر قسم کے زمیندار جن کا مالیہ ہر بندوبست کے بعد بڑھ جاتا ہے، تنگ آگئے، کاشت کار کا مالیہ وہ بڑھاتے تھے، تو کاشت کار ادا نہین کرسکتا تھا، اور کاشت کاری کرنے پر زیادہ مالیہ کی وجہ سے کوئی راضی نہیں ہوتا تھا، پھر کاشت کار کو یقین نہین تھا، کہ یہ کھیت میرے پاس کب تک رہے گا، اس لئے نہ وہ کھیت مین محنت کرتا تھا اور نہ کھاد وغیرہ مین اپنا خرچ کرکے کھیت کو اچھا بنانے کی کوشش کرتا تھا، اس پریشانی کی وجہ سے خود ان زمیندارون نے حکومت پر بندوبست (پرمانٹ سٹلمنٹ) کے لئے زور ڈالا، اور دائمی بندوبست یہی ہوا کہ حکومت مالیہ نہ بڑھائے، اور نہ نیا بندوبست کرے جو لوگ اتنی (مقررہ) مدت سے علاقہ کا بندوبست کر رہے ہین، اور مقررہ مالیہ ادا کر رہے ہین، جب تک وہ یہ مالیہ ادا کرتے رہین، حکومت اس علاقہ کو دوسرے کیساتھ بندوبست نہین کرسکتی، اسی طرح زمیندارون کو حق نہین ہوگا کہ وہ کاشت کارون کا مالیہ بڑھائین، اور نہ یہ حق ہوگا کہ جب تک وہ مقررہ مالیہ ادا کرتے رہین، اون سے کھیت لیکر دوسرے کو دین، حکومت اور زمیندار کے اتفاق سے بنگال اور بہار مین سب سے پہلے (پرمانٹ سٹلمنٹ) کا قانون نافذ ہوا، اور اسی قانون کی وجہ سے زمیندار اور کاشت کار دونون کی حالت ترقی کرگئی، اور زمین و کاشت بالکل ہی بدل گئی، ہنوز بیگہ کی زمین ہزار کی ہوگئی، اس تجربہ کے بعد تمام ہندوستان کے لئے دائمی بندوبست کا قانون بہتر سمجھا گیا، زمیندارون نے بھی بہتر سمجھا اور کاشتکارون نے بھی،

پرمانٹ سٹلمنٹ کے بعد زمیندار کاشتکارون سے مقررہ مالگذاری کے سوا اور کچھ نہین لے سکتے تھے، مگر انھون نے یہ شروع کردیا کہ ایک کاشت کار کا وارث جب مورث کی جگہ قابض ہوتو

اوسی سے سلامی کے نام سے ایک بڑی رقم وصول کرتے تھے، یا کاشت کار جب اپنی کاشت دوسرے کے نام سے منتقل کرتا تھا، تو اوس سے سلامی طلب کرتے تھے، دوسرے اور تیسرے قسم کے زمیندارون کو جائز طور پر یہ حق کبھی نہ تھا، اور پرمانٹ سٹلمنٹ کے بعد تو صریح طور پر اس قسم کے حق سے وہ خود دست بردار ہوچکے تھے، اور اسی دست برداری کے نتیجہ کے طور پر کاشت کی وراثت یا کاشت کی بیع وشرا کا اختیار کاشت کار کو دیا گیا، پہلی قسم کی زمینداریان بہت کم رہگئی ہین، اور جہان ہے وہ بھی پرمانٹ سٹلمنٹ کے ٹوٹ جانے پر راضی نہین ہون گے، حق وراثت کا قانون دائمی بندوبست کی فرع ہے، اور دائمی بندوبست زمیندارون ہی کوشش سے ہوا پھر نہ معلوم مفتی صاحب کس بنا پر کہتے ہین کہ زمیندار اس سے راضی نہین ہین،

اگر پرمانٹ سٹلمنٹ اٹھ جائے تو بنگال اور بہار مین زمینداری کوئی چیز نہین رہتی، بمبی، پونا، ناگپور، اڑیسہ، سی پی وغیرہ کی زمینداریان بھی باقی نہ رہین گی، یوپی مین جہان برٹش تحصیل کا علاقہ ہے، وہان بھی یہی حال ہوگا،

صرف ان علاقون مین جہان تعلقہ داری ہے ذرا حالت مختلف ہے، مگر بغیر دائمی بندوبست کے اُن کو کچھ نہین ملتا، زمین خراب ہوجائیگی، پیداوار گھٹ جائیگی، زمین بنجر بن جائیگی، اس لئے زمیندار پرمانٹ سٹلمنٹ کا ٹوٹنا گوارا نہین کرسکتے، اگر سٹلمنٹ ٹوٹ جائے، تو حکومت کو اختیار ہوجائیگا، کہ وہ جس قدر ٹیکس مین اضافہ کرنا چاہے کرسکتی ہے جس سے زمیندار کاشت کار سب پریشان ہوجائینگے سٹلمنٹ کی رضامندی کے یہ معنی ہین، کہ زمیندار اس بات کو قبول کرتا ہے، کہ وہ کاشتکار پر لگان سٹلمنٹ کے معاہدہ کے خلاف نہ اضافہ کرسکتا ہے نہ کاشت کار سے زمین لے سکتا ہے تو اب کاشتکار کی ملکیت مین کیا باقی رہا، جب سٹلمنٹ مین یہ طے پاگیا، اور زمیندار کی رضامندی سے بلکہ زمیندار کی خواہش پر طے پایا، کہ وہ کاشت کار کے قبضہ سے کاشت کو لے نہین سکتا، صرف

مقررہ مقدار مالگذاری کی اس کو ملنی چاہئیے، اور کاشتکارون کو جب یہ یقین دلایا گیا تو انھون نے محنت اور خرچ کرکے زمین کی حیثیت کو بڑھا دیا، بنجر زمینون کو آباد کرایا جس مین معمولی چیز بمشکل پیدا ہوتی تھی، اوس مین اعلیٰ قسم کی چیزین پیدا ہونے لگین،

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ غاصب کے فعل سے شئے مغصوب مین زیادہ ترقی ہوجائے، اور زیادہ نفع کا ذریعہ بن جائے، تو غاصب اوس کا مالک ہوجاتا ہے، اور مغصوب منہ اس کا مالک نہین رہتا، تو کاشتکار جس نے حکومت اور زمیندار دونون کی اجازت کے بعد اپنی محنت اور مال سے زمین کو اس قدر ترقی دی ہو اس میں اوس کی ملکیت کیون ثابت نہ ہوگی، اور اس کی محنت کا مالک زمیندار کیون ہوجائے گا، وہ زمیندار اور حکومت کا مقرر کیا ہوا حق زمیندار کو ادا کر رہا ہے، باوجود اس کے اوس کاشت کی پیداوار اس کے لئے کیون حلال وطیب نہ ہوگی،

مذکورۂ بالا وجوہ کے بعد غالباً اس میں تردد کی کوئی وجہ نہین رہی کہ کاشت کا مالک کاشتکار ہے، زمیندار نہیں، اور اوس کو ان تمام تصرفات کا حق ہے جو مالک کو اپنی ملک مین حاصل ہوتا ہے،

ابوالبرکات عبدالرؤف عفی عنہ

قادری داناپوری

ھوالموفق للصواب

جواب کے ہر سہ نمبر صحیح ہین، ملک شرعاً اختصاص العمل فی حق التصرف کا نام ہے، (بدائع ج ۲) اور جب اختصاص مطلع موروثی کاشتکاری میں کاشتکار کو حاصل ہے، تو ظاہر ہی کہ وہی مالک ہوگا، لہذا اس کا تصرف درست ہوگا، رہن رکھنا اور وراثت کا جاری ہونا سب ملکیت کی فرع ہین،

لہذا ہر دو امر بھی جائز ہون گے، علاوہ ازین ہندوستان کے غیرمسلم مقبوضات کو دارالاسلام کہنا مشکل ہی، اور دارالحرب ہونے کی صورت مین سابق ملکیت باقی نہین رہی، اموال واملاک غیر مملوکہ ہوجاتے ہین، ایسی حالت مین تسلط واستیلا ید حافظ وید ناقلہ تملیک کے لئے کافی ہے، البتہ متامن ہونے کی صورت مین عہود کی رعایت واجب ہے، اور غیر متامن ہونے کی صورت مین وہ بھی نہیں، عہد کے مطابق قوانین کو تسلیم کرچکنے کا بعد تسلیم کرنے والے متامن کے لئے جبری وغیر شرعی قانون تبلا کرنا قابل عمل تبلانا محل تامل ہے، واللہ اعلم۔

کتبہ محمد عمیم الاحسان مجددی برکتی عفی عنہ مفتی دارالافتا جامع مسجد ناخدا کلکتہ، یکم ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ

تیموری شاہزادون کا علمی ذوق

از

سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے

"شاہان تیموری کے علمی ذوق کا سلسلہ ناظرین معارف مین پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا تھا، لیکن درمیان مین سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کی طویل علالت کی وجہ سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا تھا، اب اس کا باقی حصہ پیش کیا جاتا ہے، سلسلہ کے لئے نومبر ۳۸ء کا معارف ملاحظہ ہو"

"م"

ہندوستان مین تیموری سلطنت کے بانی یعنی بابر کی اولاد نرینہ مین ہمایون کے علاوہ آٹھ اور لڑکے پیدا ہوئے، کامران، عسکری، ہندال، الور، باربل، فاروق، شاہ رُخ اور احمد جن مین موخرالذکر پانچون کا انتقال اسی کی زندگی ہی مین ہو گیا تھا، ہمایون، کامران، عسکری اور ہندال اس کے سامنے پروان چڑھے، اور اسکی علم پرور صحبت مین تعلیم و تادیب سے فیضیاب ہوئے، اوس کی موت کے بعد اس کے لڑکون کو وراثت مین تنہا اسکی شجاعت، اولوالعزمی اور پامردی نہین، بلکہ علم و ہنر کا شوق اور شعر و شاعری کا ذوق بھی ملا،

مرزا کامران | بابر نے اپنی ہنگامہ پرور زندگی کے باوجود کامران کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے لئے اپنی مشہور مثنوی مبین لکھی، اور اس کے ادبی مذاق کے لئے اپنی تزک اس کے مطالعہ مین دی، اوس کے ذوقِ شعری کو

فروغ دینے کیلئے اپنا منظوم رسالہ والدیہ اور اپنے اشعار تحفہ مین بھیجے، اور بغرض علم و ہنر کی چاشنی کے لئے جہان گیا، وہان کے کتب خانون سے اوس کے پاس کتابین بھیجین، چنانچہ بابر کی کوششین رائگان نہین گیئن، مرزا کامران سخن گوئی و سخن وری کا مالک بنا،

اس کا ایک دیوان زمانہ کی دستبرد سے معلوم نہین کیسے کتب خانہ خدا بخش خان پٹنہ مین محفوظ رہ گیا ہے، اس مین مرزا کے ترکی و فارسی کلام ہین، ترکی مین ۳۰ غزلین، تین قطعات، چھبیس رباعیات، چودہ مثنویات اور کچھ مفردات ہین، اسی طرح فارسی مین ۴۳ غزلین، تین قطعات، چار رباعیات، چار چھوٹی چھوٹی مثنویات اور ایک ساقی نامہ ہے، فارسی کلام کو پروفیسر محفوظ الحق صاحب مدظلہ (پریذیڈنسی کالج کلکتہ) نے اڈٹ کر کے ایک پر مغز مقدمہ کیساتھ معارف پریس مین چھپوا کر شائع بھی کر دیا ہے جو اس وقت میرے پیش نظر ہے،

میرزا کے کلام مین گو مضامین کی جدت اور خیالات کی بلندی نہین، لیکن تغزل کا پورا رنگ موجود ہے، مثلاً :-

بارقیبان ہمدم و ہمراز دیدم یار را یارب آسان کن من این حالت دشوار را
وہ چہ باشد بے قراران را دہد صبر و قرار آنکہ می بخشد خرام آن سرو خوش رفتار را
در تکلم لعل او بنیان کہ می ریزد گہر چون نگہ دارم ز گریہ چشم گوہر بار را
غیر جانان در جہان چیزی نبیند دیگر ہر کہ بردارد ز پیش این پردۂ پندار را
کامران نامد مرا جز دست چیزی در نظر تا بکام خویش دیدم دولت دیدار را

اے قدِ رعنای تو سروِ گلستانِ حسن روی دل آرای تو لالۂ بستانِ حسن
روی خوشِ مہوشت تازہ گلِ باغِ لطف سرو قدِ دلکشت نخل گلستانِ حسن
شمس و قمر را نماند، ماہ رخا رونقی تا تو برآوردۂ سر ز گریبانِ حسن

میرزا جب عشقِ مجازی کے بجائے عشقِ حقیقی کی کیفیات منظوم کرتا ہے، تو نسبتہً زیادہ مؤثر ہو جاتا ہے، مثلاً

زیبا نکہ جمالِ خود آراستہ می آئی — در زہد شکست آری در عشق بیفزائی

چون چہرہ بیارائی رخسارہ برافروزی — خود گوئی کجا ماند آئینِ شکیبائی

گر سر بگمیبانم در ناظرِ خوبانم — در سینہ تو پنہانی در دیدہ تو پیدائی

از صفحۂ رخسارت صد نکتہ بیاد آید — اے وائے ازان روزی کان رابخطا آرائی

گفتی کہ اُمّت دانم گر خوانم دگر رانم — من بندۂ فرمانم ہر نوع کہ فرمائی

گر دیر نشین سازد در رہرو دین سازد — مارا بخود یار او راست توانائی

سودائے گسی دارد باز این سرِ بے سامان — جائے ہوسے دارد باز این دلِ ہرجائی

میرزا کے کلام مین اس قسم کے صوفیانہ جذبات کی کمی نہین، دیوان کا آغاز تو ایک ایسی غزل سے ہوا ہے، جس مین شروع سے آخر تک صوفیانہ احساسات اور معتقدات ہین،

چون بمقصود نشد ہیچ کسے رہبر ما — بعد ازین خاکِ درِ پیرِ مغان و سرِ ما

کار ما چون ز درِ بستۂ زاہد نہ کشود — بو کزین پس ز خرابات کشاید درِ ما

بار گی سست و شبِ تیرہ و رہزن رنگین — وائی گر ہادی لطفت نشود رہبرِ ما

خو گرفتیم بدرد و غم عشقت بفرست — دم بدم درد و غمے بر دلِ غم پرورِ ما

دہ کہ از شوق دلم می طپد مضطربم — می رسد مژدۂ وصلی مگر از دلبرِ ما

کامران سوختم از آتشِ ہجرانِ کسے — کہ بکویش نرسد ذرۂ خاکسترِ ما

ایک رباعی مین بھی یہی خیالات موجزن ہین،

یارب ز کرم دری برویم بکشای — زنگِ غیر از دلِ حزینم بزدای

پیوند من از جملہ علائق بگسل — از ہر دو جہان سوی خودم راہ نمائی

ایک قطعہ مین کچھ پند و موعظت بھی ہے،

اے برادر ز من شنو سخنے — کہ ازان بہرہ ور شوی شاید

دل بکارِ جہان منہ کہ ازان — بارِ غم بر دلِ تو افزاید

کارِ عقبیٰ بساز ورنہ ترا — کار و بارِ جہان چہ کار آید

کامران کی ہنگامہ خیز زندگی اور اس کا دردناک انجام نظر کے سامنے ہو تو یہ قطعہ کتنا مؤثر اور عبرت انگیز ہو جاتا ہے، ایک مثنوی کی تمہید مین تو اس نے شاید اپنی زندگی کا مرقع ہی کھینچ دیا ہے،

تا چہ سازد جہانِ بے بنیاد — غافل از مکرِ آسمانِ کہن

رفت کارم ز دست و دست از کار — نیست کارم بغیر نالۂ زار

نے ز نخلِ امید من ثمرے — نے ز تخمِ نشاط و عیش برے

نگشاید دلم ز باغ و بہار — نیست مقصودِ من ز جلوۂ نگار

اس کی تمنا تھی کہ

بیا ساقی آن مے کہ خامی رہد — ز دنیا و عقبیٰ خلاصی دہد

اور یہ پوری ہوئی، وہ دنیا کے ہنگامون اور آلودگیون سے کنارہ کش ہو کر ساقی حقیقی کے اصلی میخانہ مین مخمور اور سرشار ہو کر جان بحق ہوا، یعنی اس کی وفات ایام حج میں ہوئی،

میرزا کی شعر گوئی محض اسکی ذہانت و ذکاوت کا نتیجہ تھی، وہ حالات سے متاثر ہو کر اشعار موزون کرتا، اور کبھی کبھی فی البدیہہ اور برجستہ کہتا تھا چند مثالین ملاحظہ ہون،

باپ کے مرنے کے بعد زمانہ کی عام روش کے مطابق وہ بھی تخت و تاج کا خواہان ہوا، بابر نے اپنی زندگی مین اوس کو قندھار کی مملکت عطا کی تھی، لیکن اوس کے مرنے کے ساتھ ہی سلطنت کی ہوس مین اوس نے لاہور پر بھی قبضہ کرلیا، ہمایون نے اپنے باپ کی وصیت اور کچھ اپنے مصالح کے خاطر کامران کے خلاف کوئی جارحانہ تدبیر نہ کی، بلکہ ایک فرمان لکھکر اسکو کابل اور قندھار کے علاوہ پنجاب کا بھی مالک بنا دیا، کامران نے متاثر ہوکر شکریہ مین ہمایون کی خدمت مین مندرجۂ ذیل غزل پیش کی،

حسنِ تو دمبدم افزون بادا — طالعت فرخ و میمون بادا

ہر غباری کہ زراہت خیزد — کحلِ چشمِ منِ محزون بادا

خاک کو از رہِ لیلیٰ خیزد — جاے او دیدۂ مجنون بادا

بندہ حلقہ بگوشِ تو چو من — صد چو دارا و فریدون بادا

ہر کہ گردد تو چو پرکار نگشت — او ازین دائرہ بیرون بادا

کامران تا کہ جہان راست بقا — خسرو دہر ہمایون بادا

ہمایون نے اس غزل کے صلہ مین کامران کو حصار فیروزہ انعام دیا،[1]

[1] اکبر نامہ جلد اول ص ۱۲۵، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے تذکرہ ہفت اقلیم کے استناد سے لکھا ہے، کہ مذکورۂ بالا غزل کے علاوہ یہ غزل بھی اس موقع پر بھیجی تھی،

چشم بر راہ تو داریم شدایا مے چند — وقت آن شد کہ نہی جانبِ ما گامے چند

آنکہ ہرگز نفرست سوی ما پیغامے چند — چہ نشود گر کندم شاد بدشنامے چند

تا کسے میل دلم را برخت پے نبرد — دولتِ وصلِ تو خواہم دلآرامے چند

بہر صید دلِ ما دانۂ خالِ تو بس است — ہر دم از زلف منہ بر سرِ ما دامے چند

مگر دونون بھائیون کی یہ شفقت و محبت بہت دنون تک قائم نہ رہی اپنے اپنے مصالح کی بنا پر دونون ایک دوسرے سے برسر پیکار رہے، اور آپس کے نفاق سے دونون کو بُرے دن دیکھنے نصیب ہوئے، ہمایون کو اپنے باپ کی سلطنت سنبھالنی تھی، وہ چارون طرف سے دشمنون کے نرغہ مین گھرا ہوا تھا اسکو دشمنون کو پسپا کرنا، ان کی مملکتون کو تسخیر کرنا اور تیموری سلطنت کی بنیاد رکھنی تھی، اوس کو امید تھی کہ اس کے بھائی اوس کی غمگساری اور رفاقت کرین گے، لیکن کامران نے باپ کی ہمتِ مردانہ اور جوشِ عمل وراثت مین پایا تھا، وہ کیونکر باپ کے تخت و تاج کے حصول مین اپنی قسمت آزمائی نہ کرتا، چنانچہ وہ ہمایون سے الگ ہوکر اس کا حریف بنا، ہمایون نے شیر شاہ سے پے در پے شکستیں کھائین، کامران نے ان شکستون سے فائدہ اٹھانا چاہا لیکن وہ اپنی قسمت کے لکھے ہوئے کو کیونکر مٹا سکتا تھا، ہمایون جب تیرہ سال کی آوارہ گردی کے بعد اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کی بازیابی کے لئے لوٹا، تو پہلے اوس نے اپنے بھائیون کے خلاف جنگ کی، کامران اس وقت کابل مین تھا، دونون بھائیون مین سخت جنگ ہوئی، کامران قلعہ مین محصور ہوگیا، مگر ہونک لڑائیان جاری ہین، جب لڑائی طول کھینچی تو ہمایون نے بھائی کو ایک رقعہ لکھا، جس کو ابوالفضل نے اس طرح درج کیا ہے:

"اے برادر بدخواہ اے عزیز جنگ جو از تدبیر این کار (کہ باعثِ کارزار و موجبِ قتل آزار مردم بیشمار است) باز آئی، و بر مردم شہرے و لشکرے رحم نماے، امروز این ہمہ مردم کہ کشتہ می شود فرداے قیامت،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۰)

ما خرابات و رندیم تو با ما منشین، — حیف باشد کہ نشینی تو بدنامے چند

کامران این غزلِ نو بہمایون بفرست — باشد ار سال کند سوے تو انعامے چند

بود خون آن قوم در گردنت بود دستِ آن جمع در دامنت

ہمان بہ کہ بر صلح رائے آوری طریق مروت بجائے آوری

مگر کامران نے اپنی اولوالعزمی اور بلند حوصلگی میں سرشار ہو کر یہ شعر لکھ بھیجا،

عروس ملک کسے در کنار گیرد چست کہ بوسہ بر لب شمشیر آبدار دہد[۱]،

اس جنگ میں کامران کو شکست ہوئی، لیکن وہ اپنی شکست ماننے کو تیار نہ تھا، موقع موقع سے وہ ہمایون کے خلاف جنگ کرتا رہا، لیکن قسمت نے اس کا کبھی ساتھ نہ دیا، ایک بار شکست کھا کر سلیم شاہ سوری کے دربار میں پہونچا، وہان اوس کو امید تھی، کہ ہمایون کے خلاف اوسکو امداد ملے گی، لیکن یہان اس کی امید کیا برآتی، کہ اس کو ہر قسم کی ذلتین اٹھانی پڑین، سلیم شاہ نے پہلے اسکی علمیت کو نیچا دکھانے کی کوشش کی، تاریخ داؤدی میں ہے،

"مرزا کامران از ملازمت ہمایون بادشاہ فرار نمودہ بہ سلیم شاہ التجا آوردہ، در مجلس اول سلیم شاہ برائے آزمایش طبع کامران میرزا سہ بیت یکے از اشعار اہل عراق دوم از فضلائے ہندوستان را سوم از شعرا افغان آوردہ گفت چگونہ شعر است کامران مرزا گفت از خوبہائے شعر می پرسید یا این می فرمایند کہ اشعار کیست، سلیم شاہ گفت می خواہم کہ بدانم کہ این اشعار ہر سہ بیت اشعار کیست، کامران گفت بیت اول کہ خواندید شعر مغل عراق است، بیت دوم از شعراء اہل ہند است و بیت سوم شعر افغان است، سلیم شاہ و جمیع حاضران از کمال فہم و فراست مرزا کامران آفرینہا نمودند"

پھر بھی سلیم شاہ کے درباری اوس سے تمسخر کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ اپنی ذہانت اور گویائی سے ان کو خاموش رکھتا تھا، ملا بدایونی لکھتے ہین :-

[۱] اکبر نامہ جلد اول ص ۲۲۸

سلیم شاہ گاہے میرزا را طلبیدہ مشاعرہ می کرد و صحبت بنا خوشی می گذشت و میرزا ازان تکلفات و تواضعات بسیار بجان آمدہ از عمر و زندگی بیزار گشت و فرصت بجہت فرار می جست و افغانان با وی زبان ہندی ہزلے می کردند، و چون بدربار می آمد می گفتند، مور و مرغ می آید، میرزا از یکے مقربان بحضور سلیم شاہ پرسید کہ مور و کرا می گویند او گفت مردے عظیم الشان را می گویند، میرزا گفت برین تقدیر سلیم شاہ خوش مور و باشد و شیر شاہ ازان ہم خوشتر بود[۱]"

ایک موقع پر سلیم شاہ نے کامران کو اپنا شعر سنانے کو کہا، کامران نے جل کر برجستہ یہ شعر پڑھا[۲]

گردش گردون گردان گردنان را گرد کرد

بر سر اہل تمیز ان ناقصان را مرد کرد

سلیم شاہ بہت خفیف ہوا، ملا بدایونی لکھتے ہین، کہ

"سلیم شاہ فحوائے کلام را دانستہ واین ادا را فرو بردہ بہ کلان پنہانی حکم فرمود تا میرزا چشم بند نگاہ دارند[۳]"

کامران یہان سے نکلا تو ادھر ادھر بھٹکتا رہا، کابل جا رہا تھا کہ ہمایون کے آدمیون کے ہاتھون گرفتار ہوا، کامران نے بے بس ہو کر ایک عرضداشت لکھ بھیجی[۴]، لیکن کامران کے دن پورے ہو چکے تھے، اس کا وہی حشر ہوا جو تیموری سلطنت کے ہزیمت خوردہ دعویدارون کا

[۱] منتخب التواریخ جلد اول ص ۳۹۰ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] اکبر نامہ جلد اول ص ۳۲۴، پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے مسٹر بیورج کے ایک مضمون (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن بابتہ ۱۹۰۳ء ص ۱۲۲-۱۱۵) کے حوالہ سے لکھا ہے، کہ اس عرضداشت کے ساتھ کامران نے معذرت مین ایک غزل بھی بھیجی تھی، مسٹر بیورج کو یہ غزل اکبر نامہ کے ایک قلمی نسخہ بلگرام مین ملی تھی، لیکن افسوس ہے کہ مسٹر بیورج نے اس غزل کو اپنے مضمون مین نقل نہین کیا، اور نہ یہ غزل اکبر نامہ کے مطبوعہ نسخہ مین موجود ہے،

ہوگیا ہے، اسکی آنکھون کی روشنی زائل کردی گئی، جب اس نعمت سے وہ محروم ہوگیا، تو اسکا محبوب غلام بیگ ملوک اس کے پاس آیا، وہ اوس کے ہاتھون کو اپنی آنکھون سے لگاتا اور یہ شعر پڑھتا تھا،

ہرچند کہ چشمم برخت پردہ کشید است
بینا است بچشمی کہ بسے روی تو دید است[۱]

کتنا حسرتناک شعر ہے، فرشتہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہمایون بھی اس کا عبرتناک انجام دیکھنے آیا، ہمایون جب اوس کے پاس پہنچا، تو کامران نے استقبال مین یہ اشعار پڑھے،

زقدر و شوکتِ سلطان نگشت چیزے کم   زالتفات بہ مہمان سرا ے دہقانی

کلاہ گوشۂ دہقان بآفتاب رسید   کہ سایہ بر سرش انگند چو تو سلطانی

ان کو سُن کر ہمایون پر گریہ طاری ہوگیا،[۲]

کامران کے لئے دنیا اور دنیا کی نیرنگیون مین کوئی دلچسپی باقی نہین رہی تھی، ہمایون جب کابل جارہا تھا تو اوس نے سندھ کے پاس حج بیت اللہ کی اجازت مانگی، جو ملی، بھائی کو رخصت کرنے کے لئے ہمایون جب اوسکے خیمہ مین آیا، تو کامران کی زبان پر پھر دو چبھتے ہوے شعر تھے،

کلاہِ گوشۂ درویش بر فلک ساید   کہ سایہ ہمچو تو شاہے فگند بر سرِ او

بر جانم از تو ہرچہ رسد جای منت است   گہ ناوکِ جفا است دگر خنجرِ ستم

ان اشعار کی خلش ابوالفضل نے بھی محسوس کی ہے، وہ لکھتا ہے:

"اگرچہ بیت ثانی جانب شکر دارد، اما سخن شناس دریابد کہ از شکایت لبریز است،

۱؎ اکبر نامہ جلد اول ص ۳۲۹ ۲؎ فرشتہ ص ۲۴۳ نولکشور پریس،

آنحضرت اکہ جہان مروت و مہربانی بودند) اینہا منظور نداشتہ رقمہا فرمودند[۱]

کامران اپنے بچون کو ہمایون کے حوالہ کرکے اپنی بیوی جوجک بیگم کیساتھ حج کو چلا گیا، اور وہین زندگی کے بقیہ دن گذارے، تین بار حج کی سعادت سے مشرف ہوا، آخری بار جب حج کا فریضہ ادا کر رہا تھا، کہ منا کے میدان مین ۱۱ ذی الحجہ ۹۶۴ھ مین اپنے مالک حقیقی سے جاملا، کامران کی موت کا قطعۂ تاریخ کئی شعراء نے لکھا ہے،[۲] مگر ملا بدایونی کو کامران کی ذات سے شاید بڑی دلچسپی تھی، انھون نے خاقانی کے اشعار مین اس کا ماتم کیا ہے،

ہرگز بباغِ عہد گیاہے وفا نہ کرد   ہرگز ز شستِ چرخ خدنگے خطا نہ کرد

خیاطِ روزگار ببالاے ہیچ کس   پیراہنے نہ دوخت کہ آنرا قبا نہ کرد

نقدے نہ داد دور کہ آنرا بدل نشد   نردے نباخت دہر کہ آن را دغا نہ کرد

۱؎ اکبر نامہ جلد اول ص ۳۰

۲؎ مولانا قاسم کاہی نے مندرجۂ ذیل قطعہ لکھا:

کامراں آنکہ بادشاہی را   کس نہ بود ست ہمچو او در خرد

شہ ز کابل بکعبہ و آنجا   جان بحق داد و تن بخاک سپرد

گفت تاریخ او چنین کاہی   پادشہ کامران بکعبہ مرد

وقیسی نے لکھا،

شہِ کامران خسروِ نامدار   کہ در سلطنت سر بکیوان رساند

مجاور شد اندر حرم چار سال   بکلّی دل از قیدِ عالم رہاند

ز بعد وقوفِ حج چارمین   باحرام حج جان بجانان فشاند

چو در خواب وقیسی در اندیشے   عنایت نمود و سوی خویش خواند

بگفت از پئے سنت از فوت ما   بگو شاہ مرحوم در مکہ ماند

گردون در آفتاب سلامت گراشتند ۔۔۔ کو را چو صبح روشن اندک بقا نہ کرد

خاقانیا بچشم جہان خاک درفگن ۔۔۔ کو در دو چشم دیدترا و روا نہ کرد[۱]

میرزا کی شعر گوئی کی تعریف ہر زمانہ کے مورخون اور تذکرہ نویسون نے کی ہے، بدیونی نے لکھا ہے :۔

"ہمیشہ با علما، و فضلا صحبت می داشت و اشعار او مشہور است"[۲]

داؤدی مین ہے :

"مرزا کامران در شعر آرائی و شعر فہمی طبیعت درست داشت"[۳]

صاحب ہفت اقلیم کہتا ہے :۔

"میرزا کامران در مضمار شاعری بر دو مرکب سواری نمودہ"

نواب حسین قلی خان عشق مؤلف تذکرۂ نشتر عشق نے لکھا ہے :

"طبع لطیف و معنی یاب داشت"

اس کے بعد میرزا کی موت پر جو قطعۂ تاریخ درج کیا ہے، اس مین بھی اس کی شعر گوئی کے سلیقہ کی داد ہے،

اختر برج سخن آن نکتہ دان ۔۔۔ وہ چہ شام از این جہان شد رہگرائے

از سر جانش بگفتم سال فوت ۔۔۔ کامران آسود در فردوس ہائے

مجمع النفائس کے مؤلف نے مرزا کامران کے حسب ذیل اشعار کو خاص طور سے پسند کیا ہے،

باز دامان خود آن سرو ببالا زدہ است ۔۔۔ کس بدامانش مگر دست تمنا زدہ است

[۱] بدایونی جلد اول ص ۴۵۳ [۲] ایضاً ص ۴۵۳ [۳] تاریخ داؤدی قلمی نسخہ خدا بخش خان لائبریری پٹنہ،

عیب ما چند کنی قصۂ صنعان بشنو ۔۔۔ کہ بیک جلوہ رخش دختر ترسا زدہ است

سوئے مقصد نشد از ہیچ کسے رہبر ما ۔۔۔ بعد ازین خاک در پیر مغان و سر ما

صاحب مخزن الغرائب لکھتے ہین :

"و سے طبع موزون داشتہ و شعری چون در مکنون"

صبح گلشن مین ہے :

"طبع مستقیمش لطائف سخن را بثبت و بناہ"

دیوان کامران کے مرتب پروفیسر محفوظ الحق صاحب رقمطراز ہین :

"میرزا واقعی غزل گو ہے، اور جو کچھ اوس نے کہا تمیناً، اس کے کلام مین صفائی او سلاست کافی حد تک ہے، گو خیالات مین کوئی ندرت نہین، اور نہ کلام مین چندان پختگی معلوم ہوتی ہے، لیکن طرز ادا قابل ستایش و داد ہے کلام برجستہ و بے تکلف اور نمکین نے اور بعض اشعار مین تصوف کی بھی چاشنی ہے"[۱]

میرزا ابو القاسم شوکتی مرزا کامران کی اولاد نرینہ مین میرزا ابو القاسم بھی باپ کی طرح شاعر ہوا، شوکتی تخلص رکھتا تھا، ہفت اقلیم کا مؤلف اوس کو فطین و ذکی بتاتا ہے، اوس کے اصلی الفاظ یہ ہین :

"مرزا ابو القاسم در غایت فطنت و ذکا، در نہایت ملاحت و صفا ۔۔۔۔۔۔۔۔ بشعر گفتن میلی تمام داشتہ و بسخن نیک می رسیدہ و شوکتی تخلص می کردہ ایں دو بیت مر او راست"

[۱] دیوان مرزا کامران مرتبہ پروفیسر محفوظ الحق صاحب، (مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ)

یار ہر شانہ کہ در زلف بمن سازدہ است | نشترِ غم بدل غم زدہ ما زدہ است
قضا بکشتنِ من این قدر شتاب مکن | بخواہم از ستمت مرد اضطراب مکن[1]

ریاض الشعراء کا مصنف لکھتا ہے کہ

"رخسارۂ حالش بزیور دانش وکمال آراستہ وپیراستہ بود"[2]

صبحِ گلشن مین ہے:

"در بزم ورزم بہ ہیبت وشوکت قدم می گذاشت"[3]

میرزا ابو القاسم اکبر کے حکم سے قلعہ گوالیار مین مقید رہا، اور آخر مین اوس کے حکم سے قتل کر دیا گیا، فرشتہ کی روایت ہو کہ قتل کے وقت اسکی زبان پر یہ شعر تھا،

فلک بکشتنِ من این قدر شتاب مکن | بخواہم از ستمت مرد اضطراب مکن[4]

اس کے بعد میرزا کامران کی کوئی اولاد نرینہ نہ رہی، اس لئے کسی نے اس کی وفات کا قطعۂ تاریخ کہا،

نماند از کامران نام ونشانی[5]

عسکری وہندال | معاصر مورخون نے عسکری وہندال کا ذکر شعراء کی حیثیت سے نہین کیا ہے، لیکن بعض تذکرون مین ان دونون کے نام شاعرون کی فہرست مین داخل ہین،

مخزن الغرائب مین ہندال کی ایک رباعی ہے، جو ندرت کے لحاظ سے خوب ہے،

زان قطرۂ شبنم کہ نسیم سحری | از ابر جدا کرد بصد حیلہ گری
تا بر رخ گل چکاند از شوکِ پری | حقا کہ ہزار بار پاکیزہ تری

---

[1] ہفت اقلیم قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی [2] ریاض الشعراء قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی [3] صبح گلشن صفحہ ۳۳۹ [4] فرشتہ صفحہ ۲۴۱ نولکشور پریس [5] ریاض الشعراء،

اسی مین عسکری کے مندرجۂ ذیل اشعار منقول ہین،

چنان بجو دشدم از دوری آن گلعذار امشب | کہ ہر دم گریہ ام آید بہ بے اختیار امشب
چنین کہ خوی گرفتم باشنائی تو | ہلاک می کندم آن قدر جدائی تو
گوشہ میخانہ جائے دلکشائی بودہ است | بے تکلف گوشہ میخانہ جائے بودہ است
اے عسکری از مست مدامی خوش باش | ور معتقد بادہ وجامی خوش باش
گفتی بخرابات نباشم بے او | با یار اگر درین مقامے خوش باش

شاہ ابو المعالی | ہمایون کی اولاد نرینہ مین اکبر کے علاوہ حکیم مرزا بھی تھا، اس شہزادہ کے ذوقِ علم کا ذکر معاصر مورخون نے نہین کیا ہے، لیکن ہمایون کا ایک داماد یعنی جوجک بیگم کی لڑکی اور میرزا حکیم کی بہن فخر النساء کا شوہر میر شاہ ابو المعالی ایک خوش مذاق شاعر تھا، اور شہیدی تخلص کرتا تھا، ماثر الامراء مین ہے:

"شاہ ابو المعالی خوش طبع وسلیقہ بشعر موافق داشت"[1]

مرزا دانیال | اکبر کے تین لڑکے تھے، سلیم، دانیال اور مراد، جن مین دانیال فارسی اور ہندی کا شاعر تھا، اس کے ذوقِ شعری کا ذکر کرکے جہانگیر نے اپنی تزک مین لکھا ہو کہ

"بہ تفنگ وشکارے کہ بہ تفنگ کنند میل تمام داشت، یکے از تفنگہائے خود را یکہ وجنازہ نام نہادہ بود، این بیت را خود گرفتہ فرمود کہ بر آن نقش کنند"

از شوق شکاری تو شود جان ترو تازہ | بر ہر کہ خورد تیر تو یکہ وجنازہ

اسکی ہندی شاعری کے بارے مین وہ رقمطراز ہے:

---

[1] ماثر الامراء جلد سوم ص ۱۹۱ و ص ۱۸۶ ، نیز حالات کیلئے دیکھو اکبر نامہ جلد دوم ص ۱۹۸ و صفحہ ۲۰۷ ، طبقات اکبری جلد دوم ص ۶۹ - ۶۵ ، منتخب التواریخ جلد دوم ص ۶۳ - ۵۷

"بہ نغمۂ ہندی مائل بود، گاہے بزبان اہل ہند، باصطلاح ایشان شعر ہندی گفت بدنبودے"[1]

دانیال کے دربار میں شاعروں کا ایک مجمع رہتا تھا، انہی میں ملا محمد رضا نوعی (المتوفی ۱۰۱۹ھ) اور میر حسین کفری تھے، ملا رضا خبوشان (خراسان) کے رہنے والے تھے، کمسنی میں باپ کیساتھ ہندوستان آئے، مگر تھوڑے دنوں کے بعد وطن واپس چلے گئے، باپ کی وفات کے بعد پھر ہندوستان آئے، اور مرزا یوسف خان کے دربار میں ملازم ہوئے، اس کے ساتھ کشمیر گئے تو وہاں کی بہشت زار میں ان کی طبیعت میں بھی رنگ و بو پیدا ہوا اور طبع آزمائی کرنے لگے، نوعی تخلص رکھا، اشعار خواص و عوام میں مقبول ہونے لگے،

"رفتہ رفتہ بتقریبے بسمعِ مبارک شاہزادۂ عالی جاہ شاہزادہ دان (یعنی دانیال) شاہ رسید آن قدردان نکتہ سنجان از روے خواہش نوعی را از میرزا یوسف خان گرفتہ داخل بساط بوسان محفل حشمت و شوکت خود گردانیدہ .... چون داخل مداحان آن شہزادۂ عالی مقدار گردید، قصائد غرا در مدح آن جوان بخت عالی تبار گفت"[2]

ماثر رحیمی کا مصنف لکھتا ہے:

"شاہزادہ موعی الیہ (یعنی دانیال) را صحبت مولائی مذکور پسند افتادہ در ترقی و تربیت او را کوشیدند و مہر بے نیازی او را فرق فرقد سائی گردانیدند"[3]

دانیال کی فرمایش پر ملا نوعی نے ایک مثنوی "سوز و گداز" لکھی، جس میں ایک ہندو عورت

[1] تزک جہانگیری ص ۱۱، نولکشور پریس [2] میخانہ مؤلفہ ملا عبدالنبی مرتبہ پروفیسر محمد شفیع [3] ماثر رحیمی جلد سوم صفحہ ۶۳۶۔

کے عشق کا قصہ مرقوم ہے، عورت کا شوہر بیاہ کے دن ایک چھت کے گر جانے سے دب کر مر گیا، وہ ستی ہونے چلی تو اکبر نے اسکو روکنا چاہا، لیکن شوہر کے عشق میں وہ آگ میں کود پڑی، اسی واقعہ کو نوعی نے دانیال کی فرمایش پر منظوم کیا ہے[1]،

نوعی کا قابلِ فخر کارنامہ "ساقی نامہ" ہے، جس کے صلہ میں میرزا عبدالرحیم خانخانان نے اسکو دس ہزار روپے، اور ہاتھی گھوڑے عنایت کئے تھے[2]،

میر حسین کفری بھی خراسان کا رہنے والا تھا، تیموریوں کی علم نوازی کا شہرہ سن کر ہندوستان آیا، اور شاہزادہ دانیال کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی، ماثر رحیمی میں ہے:

"مدتے ملازم شاہزادہ خورشید لوا شاہزادہ دانیال شد، و در ملازمت آن شاہزادۂ بختیار کمال تقرب و نزدیکے بہم رسانید، و قصائد غرا بمدح آن شاہزادہ گفتہ"

شاہزادہ کی وفات کے بعد عبدالرحیم خانخانان کی زرپاشیوں سے سیراب ہوا[3]،

پرویز

جہانگیر کے لڑکوں میں پرویز نے بھی علم و فن کی محفل سجائی، مگر اس محفل کو رونق دینے والے فضلاء اور شعراء میں صرف دو نام ہم کو تذکروں میں ملے ہیں، میرزا عبداللہ اور حکیم فغفور لاہجی، عبداللہ نیشاپور سے ہندوستان آکر پرویز کے دامنِ دولت سے وابستہ ہوا تھا، حکیم فغفور لاہجی طب، حساب، موسیقی اور شاعری کے فن میں یکتائے روزگار تھا، ایران سے ہندوستان آیا، اور دانیال کے دربار کو اپنے فضل و کمال سے پررونق بنایا، پہلے رسمی پھر فغفور تخلص رکھا، حساب میں رسالہ اصابع اسکی ایک تالیف ہے[4]، (باقی)

[1] ماثر الکرام جلد دوم ص ۲۳ [2] ماثر رحیمی جلد سوم ص ۶۳۷، ساقی نامہ میخانہ مرتبہ پروفیسر محمد شفیع میں ملاحظہ ہو، نوعی کا ایک دیوان بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے [3] ماثر رحیمی ص ۶۰۲ جلد سوم اسکے کلام کے نمونے بھی اس کتاب میں ملیں گے [4] ریاض الشعراء۔

حافظ جلال الدین سیوطی

از

جناب مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دار المصنفین

(۲)

حافظ سیوطی کے اصل علوم

حافظ سیوطی کے اصل علوم، علوم شرعیہ تھے، حکمت و فلسفہ کے سلسلہ مین وہ کہتے ہین، کہ جب مین نے حرمتِ فلسفہ کی بابت ابن صلاح کا فتویٰ دیکھا، اس وقت سے مجھکو فلسفہ سے نفرت ہوگئی، اور اپنی توجہ کو علوم شرعیہ کی طرف مبذول کردیا، خدانے فلسفہ کے عوض مجھ کو حدیث مین وسعتِ نظر اور فہم کامل عنایت کی،

حساب کے متعلق سیوطی کا بیان ہے، کہ میرے لئے اس سے زیادہ سخت اور مشکل کوئی دوسرا علم نہین تھا جب کبھی مجھے حساب کے کسی مسئلہ سے سابقہ پڑا، تو مجھے یہی خیال ہوتا تھا کہ جیسے مین پہاڑ اٹھا رہا ہون،

حافظ سخاوی نے الضوء اللامع مین سیوطی کی اس کمزوری کا بڑا مذاق اڑایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بقول علامہ شوکانی یہ کوئی عیب نہین ہے اگر انسان کو تمام علوم مین مرتبۂ کمال حاصل نہ ہو، جس شخص کو جس مضمون سے دلچسپی ہوتی ہے اسی مین اسکا ذہن کام کرتا ہے،

سیوطی حسن المحاضرہ مین کہتے ہین، کہ خدانے مجھے سات علوم مین تبحر عنایت فرمایا ہے، وہ علوم یہ ہین (۱) تفسیر (۲) حدیث (۳) فقہ (۴) نحو (۵) معانی (۶) بیان (۷) بدیع،

سیوطی کا خیال ہے، کہ فقہ کے سوا بقیہ ان تمام علوم مین مجھکو وہ وسعتِ نظر اور بلند مقام

میسر آیا، جو میرے اساتذہ کو بھی نہین ملا، البتہ فقہ مین میرے استاد بلقینی ہی کا پلہ بھاری ہے،

سیوطی کی جلالتِ علم کا اندازہ اس سے ہوتا ہے، کہ جب علمائے عصر سے اجتہاد کی بحث چھڑی تو سیوطی نے سب سے سات سوال کیے، جن کا کوئی جواب نہ دیسکا، نواب صدیق حسن خان مرحوم نے طبقات کاشغری کے حوالہ سے اتحاف النبلاء ص ۲۹۱ مین لکھا ہے، کہ ان تمام سوالات کا ماحصل یہ تھا کہ ب ت ث الخ کا واضع کون تھا،

اس کے بالمقابل علمائے عصر نے سیوطی سے پچاس سوالات کئے، تو انھون نے ہر سوال کا جواب ایک تصنیف کے ذریعہ سے دیا،

اجتہاد کا دعوی

علامہ سیوطی کو اپنے علم و فضل کے متعلق جو یقین تھا، اسکی بنا پر انھون نے اجتہاد کا دعویٰ کیا، اس اجتہاد کے منصب کی توقع ان کو پہلے ہی سے تھی، چنانچہ حسن المحاضرہ مین سراج الدین بلقینی کے ترجمہ مین (جن کو وہ آٹھوین صدی کا مجدد مانتے ہین) کہتے ہین کہ ممکن ہے کہ اس نوین صدی مین بھی مصر ہی مین کوئی مجدد پیدا ہو!

ایک رسالہ رسالۃ فیمن یبعث اللہ لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ[1] مین لکھا ہے، کہ جس طرح امام غزالی کو اپنے مجدد ہونے کا خیال تھا، اسی طرح مجھکو بھی امید ہے کہ مین نوین صدی کا مجدد ہون گا، اس لئے کہ مین فضل و کمال مین منفرد ہون، علم اصول لغۃ کو مین نے ایجاد کیا، میرے علوم اور میری تصنیفات سارے عالم مین پہنچ گئین، شام، روم، عجم، حجاز، یمن، حبشہ اور تکرور ہر جگہ میرے علوم اور مصنفات کی رسائی ہے، ان کمالات مین میرا کوئی شریک نہین ہے،

دوسری جگہ اپنی ایک نظم کا حوالہ دیتے ہین جس کا خاتمہ اس شعر پر ہے،

وقد رجوت انی المجددُ   فیہا بفضل اللہ لیس یجحدُ

(مجھ کو امید ہے کہ میں اس صدی کا مجدد ہون، اور اللہ کی نعمت کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے)

---

[1] نسخہ قلمی لیڈن کیٹلاگ نمبر ۴۷۴ (Warner 474) بحوالہ مقدمہ نظم العقیان از ڈاکٹر فلپ ہٹی،

بہر حال علامہ سیوطی کو اجتہاد و تجدید کی جو توقع تھی، ان کے نزدیک وہ پوری ہوئی، اس لئے انھون نے اس کا دعوی کیا، اور حسن المحاضرہ مین اپنا ترجمہ مجتہدین کے سلسلہ مین لکھا اور اس مین صراحۃً یہ کہا، کہ میرے لئے اسباب اجتہاد مکمل ہوگئے، نیز رسالہ الکشف عن مجاوزۃ ھذہ الامۃ الالف مین بہت زور وشور سے کہا، کہ جو لوگ میرے دعوی اجتہاد کے مخالف ہین اور مجھ سے معارضہ کا خیال رکھتے ہین، اگر وہ ایک جگہ جمع ہون اور مین ایک پھونک مار دون تو سب کے سب پراگندہ ہوکر منتشر ہو جائین،

خود سیوطی کے عہد مین ان کے اجتہاد پر بڑا جھگڑا رہا، اور بقول علامہ سخاوی بعض لوگون نے یہ کہا کہ اجتہاد کا یہ دعوی اپنی غلطیون کی پردہ پوشی کے لئے ہے، لیکن بعد کے علما نے عموماً ان کو مجتہد تسلیم کیا،

ملا علی قاری مرقاۃ ج ۱ ص ۲۴۷ مین بسلسلہ تجدید و اجتہاد لکھتے ہین، کہ نوین صدی مین حافظ سیوطی منصب تجدید کے زیادہ مستحق ہین، انھون نے تفسیر اور حدیث کو زندہ کیا، علوم شرعیہ مین سے کوئی فن نہین چھوڑا، جس مین ان کی چھوٹی یا بڑی تصنیف نہ ہو، ان کے بعض مخترعات اور زیادات بھی ایسے ہین، کہ جس کی وجہ سے وہ اس کے مستحق ہین، کہ اس صدی کے مجدد مانے جائین،

مولانا عبدالحئی صاحب (فرنگی محل) التعلیقات السنیہ ص ۱ مین طبقات ابن شہبہ سے ان کے لئے یہ الفاظ نقل کرتے ہین،

ھو مجدد للمأۃ التاسع — یہ نوین صدی کے مجدد ہین

اجتہاد کی نوعیت علامہ سیوطی کے اس دعوی تجدید و اجتہاد مین ایک غلط فہمی یہ ہوئی، کہ لوگون

۱ نسخہ مخطوطہ کیٹلاگ لیڈن نمبر (۴) ۴۰، (Vollers) بحوالہ مقدمہ نظم العقیان۔

نے عموماً یہ سمجھا کہ یہ اجتہاد مطلق کا دعوی کر رہے ہین، اور لوگون کے نزدیک ائمہ اربعہ کے بعد اجتہاد مطلق کا مدعی لائق تادیب تھا، حالانکہ سیوطی اپنے کو مجتہد مطلق نہین، بلکہ مجتہد منتسب کہا کرتے تھے،

شعرانی طبقات کے ذیل مین سیوطی سے نقل کرتے ہین، کہ لوگون نے میرے متعلق مشہور کر رکھا ہے، کہ مین نے اجتہاد مطلق کا دعوی کیا، حالانکہ یہ غلط ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ مین مجتہد منتسب ہون جب مین مرتبۂ ترجیح کو پہونچا، تو افتاء مین ترجیح نواوی سے باہر نہین نکلا، اور جب مرتبۂ اجتہاد کو پہونچا، تو افتاء مین مذہب شافعی سے الگ نہین ہوا،

نواب صدیق حسن خان طبقات کاشغری سے نقل کرتے ہیں، کہ مبحث اجتہاد مین سیوطی سے اور علمائے عصر سے مناظرہ ہوا جس مین سیوطی نے بیان کیا، کہ مجتہد کی دو قسمین ہین، ایک تو مجتہد مطلق، یہ درجہ ائمہ اربعہ پر ختم ہے، دوسرے مجتہد منتسب یعنی وہ مجتہد جو اپنے فتاوی مین امام منتسب کا پیرو ہے، مجتہد کی یہ قسم تا قیامت باقی رہے گی، اور مین اسی اجتہاد کا مدعی ہون،

معاصرین کا اختلاف علامہ سیوطی کے دعوی اجتہاد نے معاصرین کی نگاہ مین ان کو مبغوض بنا دیا، اور علمار کی ایک جماعت کو ان سے سخت قسم کا اختلاف ہوگیا، اس جماعت کے سرخیل علامہ سخاوی تھے،

علامہ سخاوی سیوطی کے استاذ تھے، حافظ سیوطی نے نظم و نثر مین علامہ سخاوی کی تعریف و توصیف بھی کی ہے، خود علامہ سخاوی نے بھی سیوطی کو اچھے الفاظ سے یاد کیا ہے، ڈاکٹر فلیپ ہٹی (Philip K. Hitti) نے نظم العقیان کے مقدمہ مین علامہ سخاوی کی التبر المسبوک ص ۲۳۵ سے ذیل کی عبارت نقل کی ہے جس مین حافظ سیوطی کی مدح و ستائش

پوری طرح موجود ہے، اس کتاب مین سخاوی سیوطی کے والد کا ترجمہ لکھتے ہوئے کہتے ہین،

وھو والد الفاضل جلال الدین عبد الرحمٰن احد من الکثر من التردد علیّ و مدحنی نظماً و نثراً نفع اللہ بہ،

یہ فاضل جلال الدین عبد الرحمٰن کے والد ہین، جلال الدین ان لوگون مین سے ہین، جو اکثر میرے پاس آمد و رفت رکھتے ہین، نظم و نثر مین میری تعریف کی ہے، خدا ان کے ذریعہ سے نفع پہنچائے

تعلقات مین یہ یکسانی اور یکرنگی برابر موجود رہی، لیکن حسبِ روایتِ مؤرخین حافظ سیوطی کے ذوقِ ادعا نے اس کا خاتمہ کر دیا،

زاہد کوثری ذیل تذکرۃ الحفاظ ذہبی کے دیباچہ مین لکھتے ہین ؛

وَمَا ذنب السخاوی الیہ الا قلۃ صبرہ اذاء الدعاوی العریضۃ،

سخاوی کا اس کے سوا اور کوئی گناہ نہ تھا کہ وہ سیوطی کے بلند بانگ دعوون پر ضبط نہ کر سکے!

ان اختلافات مین یہانتک نوبت پہنچی کہ ایک دوسرے کے زبان و قلم سے ایسی باتین نکلین کہ آج بھی ان کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے،

سخاوی الضوء اللامع مین سیوطی کے متعلق حمق اور ہوی کے لفظ استعمال کرتے ہین، انکا ترجمہ ان الفاظ پر ختم کرتے ہین،

"فسبحان واھب العقول"

الضوء اللامع مین جہان جہان موقع ملا، انھون نے سیوطی پر تعریض کی! مثلاً ترجمہ عبد الجبار بن علی الاخطابی (شاگرد سیوطی) مین ہوس، عبد القادر بن حسین المعروف بابن المغربی

کے ترجمہ مین سوء عشرۃ کا الزام لگایا، علی بن محمد بن عیسیٰ الاشمونی کے ترجمہ مین حمق اور ابن النجا ابن خلف المصری کے ترجمہ مین حسد کی نسبت کی،

اسی طرح حافظ سیوطی نے سخاوی کے متعلق جو الفاظ استعمال کئے ہین، وہ حد درجہ عبرتناک ہین! نظم العقیان ص ۱۵۲ مین ملتے ہین،

وَانتقی وَخرج لنفسہ وَلغیرہ مع کثرۃ لحنہ وعرسیہ من کل علو بحیث انہ لا یحسن من غیر الفن الحدیثی شیئاً اصلاً۔

الکاوی علی السخاوی[1] (نسخہ مخطوطہ بانکی پور) مین لکھتے ہین :

مَا ترون فی رجلٍ الف تاریخاً جمع فیہ اکابر واعیاناً لاکل لحومھم خوناً بذکو المساوی تلبساً للاعراض ...... ان سئل عن مسئلۃ فی الاستنجا لم یحسن الجواب

رسالہ الوسیۃ النصر فی خصیصی بالقصر (نسخہ مخطوطہ بانکی پور) مین لکھتے ہین :

وَلیسَ ذلکَ بمستنکرٍ من عامی محض لا یعرف الصّحیح من المقصوَ وَلا المرفوع من المجرور وَلا غیر المعرب من المبنی .... فان قلبہ اقرب الی المسخ ..... الخ

صاحب النور السافر نے اس سلسلہ مین سیوطی کے دو شعر بھی نقل کئے ہین،

قل للسخاوی ان تعروک مشکلۃ علی کبحر من الامواج ملتطم

---

[1] شاعر ادیب ابن العلیف احمد بن حسین مکی نے سخاوی کی طرف سے دفاع کی، اور دو کتابین لکھین، (۱) الشہاب الھاوی علی منشی الکاوی (۲) المنتقد اللوذعی علی المجتھد المدعی،

والحافظ الدیمی[1] غیث الزمان فخذ   غرقًا من البحر اورشفا من الدیم

یہ اختلافات آخر وقت تک قائم رہے،

خلفاء، امراء اور شاہانِ وقت سے تعلقات

حافظ سیوطی کا زمانہ ممالیک چرکسیہ کا زمانہ ہے، ان کا خاندان ہمیشہ دینی یا دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے سربلند رہا، اسی لئے شاہانِ وقت سے برابر ربط وضبط رہا، اور یہ تعلق امیر شیخو کے وقت سے شروع ہوتا ہے،

خود حافظ سیوطی کے والد اور خلیفہ مستکفی باللہ ثانی نیز ملک ظاہر حقمق کے تعلقات کا حال شروع مین گذر چکا ہے،

حافظ سیوطی کی پرورش چونکہ شروع ہی سے شاہی ماحول مین ہوئی، اس لئے امراء واعیانِ مملکت سے ان کے تعلقات بھی تھے،

شہاب الدین بن طباخ کے سلسلہ سے امیر برکبائے چرکسی سے خاصی راہ ورسم تھی، اینال الاشقر سے بھی خاص تعلق تھا، اینال الاشقر ملک خشقدم (۸۶۲ھ) کے زمانہ مین ملطیہ طرابلس اور حلب کا نائب رہا، پھر ملک اشرف قایت بائے (۹۰۱ھ) کے زمانہ مین راس نوبۃ النوب[2] کے مرتبہ کو پہونچا، علامہ سیوطی کو اینال الاشقر ہی نے شیخونیہ مین تدریس حدیث کے لئے مقرر کیا تھا،

خلفاء مین متوکل علی اللہ ثانی سے زائد تعلق تھا اسکی وجہ غالبًا یہ ہے کہ متوکل علم دوست نیز سیوطی کے والد کا شاگرد تھا، جیسا کہ تاریخ الخلفاء مین مذکور ہے، متوکل ہی نے سیوطی کو

---

[1] دیمی الفخر عثمان المحدث اسماء الرجال کے ماہر تھے، ان کے اور سخاوی کے درمیان کسی قدر رنجش تھی،
[2] راس نوبہ تاتاریون کا ایک عظیم الشان عہدہ تھا، مصریون نے اس کو راس نوبۃ الامراء کہا، اس کا

قاضی القضاۃ کا منصب عطا کیا تھا، سیوطی حسن المحاضرہ مین متوکل کا ذکر بہت محبت سے کرتے ہین اسکے حق مین دعا کرتے ہین، اور کہتے ہین، کہ مین نے ان کے لئے دو کتابین لکھی ہین،

(۱) الاساس فی فضل بنی العباس،

(۲) دفع الباس عن بنی العباس،

دوسرے امرائے وقت خود زیارت کے لئے حاضر خدمت ہوتے، سلطان ملک اشرف قانصوہ غوری (۹۲۲ھ) جو ایک متقی اور پرہیزگار بادشاہ تھا، سیوطی کا معتقد تھا اُن کی خدمت مین تحفے بھیجتا تھا۔

ممالیکِ چرکسیہ اور خلفاء مین جو اندرونی کشمکش تھی اور اس زمانہ کے جو سیاسی انقلابات تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ علامہ سیوطی کو اُن سے کوئی تعلق نہ تھا،

گوشہ نشینی

ابن عماد حنبلی شذرات الذہب ج ۸ ص ۵۳ مین کہتے ہین، کہ حافظ سیوطی نے چالیس سال کی عمر سے گوشہ نشینی اختیار کر لی، درس وافتار ترک کر دیا اور ایک کتاب "التنفیس" لکھی جس مین اپنی معذوریون کو ظاہر کیا،

لیکن ہم کو چالیس سال کی عمر سے گوشہ نشینی کے تسلیم کرنے مین اس لئے تامل ہے کہ سیوطی تاریخ پیدایش کے لحاظ سے غالبًا ۸۹۱ھ مین چالیس سال کے ہوجاتے ہین، اور ۸۹۱ھ مین بیبرسیہ کی ایک ممتاز جگہ پاتے ہین، ۹۰۲ھ مین قاضی القضاۃ بنتے ہین، اور ۹۰۶ھ مین بیبرسیہ سے الگ ہوتے ہین، اس لئے قرینِ قیاس یہ ہے، کہ ان کی عزلت وگوشہ نشینی کا زمانہ ۹۰۶ھ کے بعد سے شروع ہوتا ہے، جس وقت ان کی عمر غالبًا پچپن چھپن برس کی رہی ہوگی،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۸) مفہوم یہ ہے کہ امراء مین سب سے بلند مرتبہ والا، (حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۸۵)

گوشہ نشینی سے وفات تک کا پورا زمانہ روضۃ المقیاس مین گذرا،

روضۃ المقیاس مقریزی کا بیان ہے کہ جس کو آج کل روضہ کہتے ہین، وہ درحقیقت مصر اور جیزہ کے درمیان ایک جزیرہ کا نام ہے، شروع اسلام مین یہ جزیرہ مصر پھر جزیرہ حصن کے نام سے مشہور ہوا، افضل بن امیر الجیوش کے وقت سے روضہ نام پڑ گیا، جو اب تک مشہور ہے،

سیوطی حسن المحاضرہ مین کہتے ہین، کہ ولید کے عہدِ خلافت مین اسامہ بن زید التنوخی نے روضہ مین نیل کے لئے ایک مقیاس بنایا تھا،

غالباً اسی وجہ سے اس کو روضۃ المقیاس کہتے ہین،

بہرحال اسی روضۃ المقیاس مین سیوطی دنیا سے رشتہ توڑ کر حق سے رشتہ جوڑنے مین مشغول ہوئے، مخلوق سے اس طرح منہ موڑا، کہ گویا کسی سے تعارف ہی نہین ہے شاہی دربار سے طلبی آتی، انکار کر دیتے، امرا نذرین پیش کرتے، وہ قبول نہ کرتے،

عزلت و گوشہ نشینی کی انتہا کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوگا،

صاحب النور السافر قسطلانی (جن کی حافظ سیوطی کے ساتھ شکر رنجی کا حال گذر چکا ہے) کے ترجمے مین لکھتے ہین، کہ جب قسطلانی اپنی صفائی کے لئے سیوطی کے پاس آئے، تو یہ روضۃ المقیاس مین گوشہ نشین تھے، قسطلانی نے گھر پہونچ کر دروازہ کھٹکھٹایا، سیوطی نے پوچھا کون ہے، انھون نے کہا کہ مین قسطلانی ہون، اس لئے حاضر ہوا ہون، کہ آپ کا دل مجھ سے صاف ہوجائے، سیوطی نے اندر ہی سے کہہ دیا کہ میرا قلب صاف ہے، نہ دروازہ کھولا اور نہ سامنے آئے،

گوشہ نشینی کے زمانہ مین تصنیفی کام البتہ جاری رہا،

وفات و تدفین شبِ جمعہ ۱۹ جمادی الاول ۹۱۱ھ (۱۰ اکتوبر ۱۵۰۵ء) کو ایک ہفتہ کی علالت کے بعد انتقال ہوا، علالت کچھ زیادہ نہ تھی، بائین بازو مین سخت قسم کا ورم ہوگیا تھا، انتقال کے وقت ۶۱ سال دس ماہ اٹھارہ یوم کی عمر تھی،

باب قرافہ سے باہر حوش قوصون مین دفن ہوئے، حوش قوصون زاہد کوثری کی تحقیق مین قلعہ کے نیچے ہے، لیکن علامہ احمد تیمور پاشا جنھون نے "قبر الامام السیوطی" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، ان کے نزدیک حوش قوصون جامع کبیر کے پاس ہے،

ان کا بیان[1] ہے کہ بڑی تلاش و جستجو کے بعد امام سیوطی کی قبر کو مین نے پایا، یہ زمین سے اونچا عظیم الشان قبہ ہے زینہ کے ذریعہ سے اوپر جایا جاسکتا ہے، علامہ سیوطی کی قبر کے سوا اس قبہ کی تمام قبرین مٹ گئی ہین، اس جوار کے لوگ سیوطی کی قبر کی زیارت کیلئے آتے ہین، اس پر نذرین چڑھاتے ہین، اور "سیدی جلال" کے نام سے پکارتے ہین،

عام زندگی علامہ سیوطی کی عام زندگی کے متعلق باوجود تلاش کے ہم کو کوئی خاص بات معلوم نہ ہوسکی! دوست احباب اور اہل و عیال تھے یا نہین ؟ اگر تھے تو ان کے ساتھ کیا برتاؤ تھا ؟ عادات اور معاملات مین کیا حال تھا ؟ الغرض اس قسم کی تمام باتون سے ہمارے سوانح نگار خاموش ہین،

اتنا ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ مزاج مین کسی قدر ترفع تھا، ورنہ یہ جملہ زبان سے نہ نکلتا کہ ابن ظہیرہ میری نگاہون مین میرے والد کا وہی آدمی ہے، جو بچپن مین مجھکو اپنے کندھے پر بٹھائے گھومتا تھا"

اور اگر سیوطی کے بارے مین سخاوی کی روایت تسلیم کیجائے تو یہ امر بھی حیرت انگیز ہے

---

[1] مکتوب احمد تیمور پاشا بنام *Philipp K. Hitti* از مقدمہ نظم العقیان،

کہ ان کی والدہ کو ان کے ترفع کی شکایت تھی، اسی طرح محیوی بن مغیزل جو ان کے شاگرد اور بڑے مداح تھے، انکی بعض مزاجی کمزوریون کی بنا پر بعد کو ان کے مخالف ہوگئے،

ان امور کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ سیوطی ایک صاحب کرامات بزرگ بھی تھے، شذرات الذہب مین ان کی بعض کرامتیں اور سچی پیشنگوئیان بھی مذکور ہین،

اور حق تو یہ ہے کہ علامہ سیوطی نے اپنی تصانیف کے ذریعہ سلف کا جو ذخیرہ ہم تک پہونچایا ہے، یہی ان کی سب سے بڑی کرامت ہے، اور یہ ان کا اس قدر عظیم الشان احسان ہے، کہ جس کے لئے ہم کو بہرحال ان کا ممنون ہونا پڑیگا غفرالله تعالیٰ۔

۱؎ اس مضمون کا ماخذ کتب ذیل ہین، مضمون مین ہر جگہ حوالہ نہین دیا گیا ہے،

(۱) حسن المحاضرہ سیوطی (۲) بغیۃ الوعاۃ سیوطی (۳) نظم العقیان سیوطی (۴) تاریخ الخلفاء سیوطی (۵) الضوء اللامع سخاوی (۶) البدر الطالع شوکانی (۷) شذرات الذہب ابن عماد حنبلی (۸) النور السافر عیدروسی (۹) ذیل طبقات الحفاظ ذہبی (۱۰) خطط مقریزی (۱۱) معجم البلدان (۱۲) انساب السمعانی (۱۳) کشف الظنون (۱۴) اتحاف النبلا (۱۵) معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ (۱۶) الکاوی علی السخاوی سیوطی (نسخہ مخطوطہ بانکی پور) (۱۷) الوثیۃ النفر فی خصیصی بالقصر سیوطی (نسخہ مخطوطہ بانکی پور) (۱۸) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (۱۹) خلافت اور ہندوستان از مولانا سید سلیمان ندوی (۲۰) تفسیر کبیر (۲۱) مقالات شبلی (تعلیمی) (۲۲) مرقاۃ ملا علی قاری (۲۳) التعلیقات السنیۃ مولانا عبدالحئی فرنگی محلی،

مقالات شبلی جلد پنجم

یہ مولینا شبلی کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو اکابر اسلام کے سوانح و حالات سے متعلق ہین، اسمین علامہ ابن تیمیہ، ابن رشد اور زیب النسا کی سوانحعمری وغیرہ جیسے اہم اور مفید مضامین ہین ضخامت ۱۴۰ صفحے قیمت ۱۲ منیجر

محسن کاکوروی

اور

ان کی خصوصیات

جناب محمد ابو اللیث صاحب صدیقی بدایونی ایم اے لکچرار اردو یونیورسٹی علیگڈہ

(۲)

جدت پسند اور مضمون آفرین شاعرون کو اپنے ذوق کی تکمیل کے لئے مبالغہ سے کام لینا پڑتا ہے، اکثر عام شاعر بھی اپنی دوکان سجاتے وقت اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، مبالغہ کو شاعری مین اس درجہ دخل ہے، کہ ان دونون کو ایک دوسرے کے مترادف سمجھا جانے لگا ہے، شاعر تخیل کی بلند پروازی مین اکثر دنیا کی حقیقتون سے بہت دور نکل جاتا ہے، لیکن محسن ایسا نہین کر سکتے تھے، جہان تک تعریف و توصیف کا تعلق ہے، ان کے ممدوح یعنی رسول اللہ صلعم کی ذات پاک اتنے اوصاف حمیدہ کی جامع ہے، کہ ان کے بیان مین مبالغہ کی ضرورت ہی نہین، دوسرے انھون نے حدیث اور قرآن کی روشنی کو ہمیشہ اپنے لئے شمع ہدایت بنایا ہے، بعض نعت گو شاعر محبت کے جوش مین اکثر ایسی باتین کہہ گئے ہین، جو مذہبی نقطۂ نظر سے ناروا ہین، ان کا عذر یہ ہے کہ جوش محبت اور والہانہ شیفتگی کے عالم مین یہ سب کچھ کہا ہے، اس لئے وہ لائق معافی ہیں، لیکن محسن کو اس عذر اور معافی کی ضرورت نہین پڑتی، ہمارے یہان میلاد النبی صلعم کے سلسلہ مین جو مجالس منعقد ہوتی ہین، ان مین نعت گو شعرا

کا کلام ہمیشہ پڑھا جاتا ہے اور ایسے ایسے اشعار پر لوگ وجد کرنے لگتے ہین :-

اللہ کے پتے مین وحدت کے سوا کیا ہے ۔۔۔ لینا ہے ہمین جو کچھ لے لین گے محمد سے

اس قسم کے اشعار مین شعراء نے حفظِ مراتب کو نظرانداز کر دیا ہے، اور بعض طبائع ایسی زیادتیون کو کسی عنوان گوارا نہ کرین گی، محسن کے یہان والہانہ عشق اور محبت کے باوجود ایسی لغزشین تلاش کرنے پر بھی نہین ملین گی، اپنے کلام مین انھون نے جابجا قرآن اور حدیث کے ان مقامات کی طرف اشارہ کیا ہے، جہان سے ان کا مضمون ماخوذ ہے ایک مثال سے یہ واضح ہو جائے گا،

مثنوی چراغ کعبہ مین معراج کے سلسلہ سے حضرت جبرئیلؑ کی آمد کا ذکر کیا ہے، چونکہ کسی حدیث مین اس کی تصریح نہیں کہ حضرت جبرئیلؑ نے حاضر ہو کر کیا عرض کیا تھا اسلئے فرماتے ہین:

آنا ہے طلب کا استعارہ ۔۔۔ بردن کا ہے آمدن اشارہ

اور حاشیہ مین اسکی صراحت کر دی گئی ہے،

براق کی صفت مین ایک مصرعہ ہے ع

چھوٹا سا فرس فرشتہ ہیکل

حدیث شریف مین بھی مذکور ہے کہ براق چھوٹے فرس کے برابر تھا، فلکِ اول کی سیر کے سلسلہ مین ایک شعر ہے،

وہ روز ازل کا سعد اکبر ۔۔۔ وہ اول ما خلق کا مظہر

اسمین اشارہ ہے حدیث شریف کی طرف "اول ما خلق اللہ نوری"،

فلک ششم کی سیر مین ایک شعر ہے،

تھا داغ فراق لن ترانی ۔۔۔ مسرور وصال من رآنی

اشارہ ہے اس حدیث شریف کی طرف "من رآنی فقد رای الحق"

فلک ہفتم کے سلسلہ مین حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ایک شعر ہے،

کرتا تھا جو صرف میہمانی ۔۔۔ خوانِ یغماے من عصانی

اس مین اشارہ ہے حضرت ابراہیمؑ کی دعا "ومن عصانی فانک غفور رحیم" کی طرف

مقام اعلیٰ کے بیان مین ایک شعر ہے،

آنکھون کی تلاش جلوۂ رب ۔۔۔ کانون مین صداے نحن اقرب

اس مین کلام مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے "نحن اقرب الیہ من حبل الورید" مثنوی شفاعت و نجات مین بکثرت آیات کی طرف اشارے ہین،

ان چیزون سے محسن کی مذہبیت کا پتہ چلتا ہے، قرآن اور حدیث پر ان کی نظر تھی، اس لئے حالات و واقعات کے بیان مین ان کا مضمون کبھی ان کے حدود سے باہر نہین نکلتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ فن شاعری کے ایسے کمالات کا اظہار کرتے تھے، کہ ان پابندیون کے باوجود کلام مین زور اور تاثیر پیدا کر لیتے تھے، شاعری اور وعظ مین یہی فرق ہے، وعظ کی خشکی سے سامعین گھبرا اٹھتے ہین، لیکن جب شعر کا ساز بجنے لگے، اور اس کے پردون سے وہی راگ نکلے، جو پہلے واعظ کی زبان سے ادا ہو رہا تھا، تو سننے والے مسحور ہو جاتے ہین، انھون نے اپنے کلام مین شاعری اور مذہب کے امتزاج کا ایسا مرقع پیش کیا ہے، کہ اس مادیت اور الحاد کے دور مین بھی جس کی جاذبیت اور کشش باقی ہے،

مضمون کے اعتبار سے محسن کے کلام کی ایک خاص خوبی کا ذکر کرنا باقی رہ گیا، یہ انکی تہذیب اور متانت ہے، لکھنؤ کی مخصوص انداز کی شاعری کی بدولت وہان کا پورا دبستانِ شعر

آج تک مطعون ہے، یہی وجہ ہے کہ لکھنؤ اپنے نامور سخنوروں کی فہرست میں پہلے ان شعرا کا نام رکھتا ہے، جن کا کلام اس دبستان کے دوسرے شعرا کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے، لیکن معلوم نہیں اس موقع پر محسن کا نام کیوں نظرانداز کردیا جاتا ہے حالانکہ تہذیب و متانت کے اعتبار سے محسن کی شاعری اپنی آپ نظیر ہے، اور مضمون زبان، تشبیہات اور استعارات ہر اعتبار سے اسکی ثقاہت اور تطہیر مسلّم ہے،

انیس اور دبیر نے مرثیہ گوئی کے فن میں مجدد کا درجہ حاصل کیا، اور مرثیہ گوئی کو بڑا فروغ بخشا، فصاحت اور بلاغت کے بڑے بڑے معرکے سر کئے، لیکن فن کاری کے اعتبار سے یہ بات دل میں کھٹکتی ہے کہ مرثیوں میں جہاں کہیں عرب کے مردوں عورتوں اور ان کے حالات و واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں خالص لکھنوی تہذیب و معاشرت کا چربہ اتارا ہے، بہت سی وہ رسمیں جو بیشتر ہندوستانی بلکہ بعض خالص ہندوانی ہیں عربوں کے کردار میں شامل کردی گئی ہیں، جس سے کردارنگاری میں جگہ جگہ بھونڈا پن پیدا ہوگیا ہے، اور تاثیر کی فضا، کم ہوگئی ہے، لیکن محسن خالص ہندوستانی فضا کے شاعر ہیں، اور اپنے ماحول کی ترجمانی کرتے ہیں، ان کے خیالات ان کی زبان، ان کی تشبیہات اور استعارات اسی ملک کی پیداوار ہیں، اسی لئے ان میں اثر بھی زیادہ ہے،

مضمون کی بلندی اور فکر کی پرواز کے اعتبار سے بھی محسن کا کلام نادر ہے، قصیدہ مدیح خیر المرسلین، مثنوی تجلی کعبہ اور چراغ کعبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ مضمون کی بلندی الفاظ کے شکوہ سے ہم پہلو وہم آہنگ ہے، الفاظ کا حسن انتخاب قادرالکلامی کی دلیل ہے، مضمون کی مناسبت سے الفاظ کا صحیح استعمال اچھے شعر کے لئے ضروری شرط ہے، مثنوی چراغ کعبہ میں واقعۂ معراج کو نظم کیا ہے، یہ واقعہ چونکہ شب میں پیش آیا،

اس لئے تمہید میں مضمون اور الفاظ کی ہم آہنگی سے رات کے مناسب ماحول اور فضا کا پورا لحاظ رکھا ہے،

ہے نام خدا سواد تحریر   واللیل اذا سجیٰ کی تفسیر

آغاز روایت میں لکھتے ہیں :-

بھیگی ہوئی رات آبرو سے   داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے

اوڑھے ہوئے لیلی گل اندام   شبنم کی ردا بقصد احرام

گویا کہ نہا کے آئی فی الحال   جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال

کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے   سر سے پا تک عرق عرق ہے

نامحرموں سے چھپائے چہرہ   پروین کو بنا کے منہ کا سہرا

آنا کھلتا ہوا نہ جانا   انداز خرام صوفیانہ

سناٹے کا دم انیس و ہمدم   انفاس ہوا رفیق و محرم

خوشبو وہ کہ ہار یاسمن کے   لپٹے ہوئے بالوں میں دلھن کے

یا تازہ بسی ہوئی ختن کی   کلیاں یوسف کے پیرہن کی

ناخن کی جگہ ہلال کی مد   دفتر سے طلوع کے ندارد

گرتے ہوئے ٹوٹ کر ستارے   ہیں رمی جمار کے اشارے

چونکہ یہ مثنوی ہے اسلئے زبان نہایت سادہ سلیس اور بامحاورہ استعمال کی ہے جس میں روزمرہ کا لطف آجاتا ہے،

محسن کے کلام میں فنی حیثیت

انیسویں صدی میں "صنعت" کو فطرت پر ترجیح دینے کا عام رواج تھا، یہی زمانہ محسن کاکوروی کو ملا، اس عہد کے لکھنؤ میں زندگی کے ہر شعبہ میں کمال صنعت

کی دادوی جارہی تھی، نثر اور نظم دونون کو تکلفات سے آراستہ کیا جارہا تھا یہی سبب ہے کہ لکھنو کی شاعری لفظی صناعی اور صنعت گری کا نمونہ بن گئی، اس سے تاثیر جو شعر کا مقصد اصلی ہے، کم ہوگئی، لیکن اس مین شبہہ نہین کہ اس کا ظاہری لباس ایسا دیدہ زیب ہوگیا جو اس سے پہلے شاعری کو نصیب نہین ہوا تھا،

محسن نے اپنی شاعری مین اپنے ماحول کی ترجمانی کرتے ہوئے لفظی صناعی پر بھی توجہ کی ہے، اور اس کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ان کے کلام کی ظاہری خوبی اسی کوشش کی رہون منت ہے، لیکن اس موقع پر بھی محسن نے اپنی انفرادیت کو ہاتھ سے جانے نہین دیا ہے، اور ان کا قدم اعتدال کے راستہ سے نہین ہٹا ہے،

اسی صنعت گری کے شوق مین شعراے لکھنو نے رعایت لفظی کی طرف توجہ کی اس فن کے امام آغا حسن امانت ہوئے، اس دبستان کے دوسرے شعرا نے اس مین اس قدر مبالغہ کیا کہ بالعموم اسی کو شعر کا مقصد بنا لیا، جس سے ان کا کلام بے مزہ ہوگیا، لیکن محسن نے صنعت گری مین بھی شاعرانہ لطافت کو ہاتھ سے نہین جانے دیا، چنانچہ ان کی رعایات بے ساختہ ان کی تشبیہات اور استعارات جاندار اور ان کا عام انداز شاعرانہ ہے، پورا کلام پڑھ جائیے ان تکلفات کی وجہ سے کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی، قصہ طلب تلمیحات بھی ہین، اور بکثرت ہین، لیکن بندش کی چستی اور نظم کی روانی ایسی ہے کہ طبیعت اس پر رک کر نہیں رہ جاتی اس اعتبار سے ان کا کلام اگر ایک طرف تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے جاذبیت رکھتا ہے، تو دوسری طرف عوام الناس بھی اس کی خوبیون پر سر دھنتے ہین،

ان کے فن مین سب سے زیادہ نمایان عنصر تلمیحات کا ہے، تلمیح یہ ہے کہ شعر مین تاثیر پیدا کرنے کے لئے نہایت مختصر الفاظ مین کسی مشہور و معروف واقعہ کی طرف اشارہ کر دیا جائے

چند مثالون سے اسکی وضاحت ہو جائیگی، سراپاے رسول اکرم کا ایک شعر ہے،

شعلۂ طور کا کاغذ پہ کھینچا ہے نقشہ — خاکہ انگارہ کف دست ید بیضا ہے

اسمین حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جب فرعون نے آپ کے بچپن مین آپ کے سامنے اشرفیان اور آگ رکھدی حضرت موسیٰ نے انگارہ ہاتھ مین لے لیا، اور آپ کا ہاتھ جل گیا جو بعد مین ید بیضا ہوگیا،

اسی کا ایک اور شعر ہے،

خواب مین بھی جو وہ زہرہ جبین پیش آئے — مشتری طالع کنعان کی زحل ہو جائے

مثنوی صبح تجلی مین سے چند شعر یہ ہین:

آنکھین نظارے کی طلب گار — نظارہ کا بخت خفتہ بیدار

منظور ہے حسن کا تماشہ، — ہر دیدہ ہے دیدۂ زلیخا

ہر شرق سے غرب تک پریشان — نور عینین پیر کنعان،

وہ سورۂ یوسف تجلی — یہ مطلع مصر کی عزیزی،

اس مین حضرت یوسف زلیخا اور حضرت یعقوب کے واقعات کی طرف اشارہ ہے مثنوی چراغ کعبہ مین بکثرت تلمیحات ہین،

یونس سر حوت تک پہنچکر — سکتہ نہ بٹھا ہین ہر درم پر

مین ایک تلمیح اور ایک رعایت ہے، یونس علیہ السلام کو ایک مچھلی نگل گئی تھی اور حوت فلک کے بارہوین برج کا نام ہے جس کی صورت مچھلی کی سی ہے، ایک اور شعر ہے،

آیا جو کرم پہ عشق بے باک — سینہ کیا شق جگر کیا چاک

اسمین واقعہ شق صدر کی طرف اشارہ ہے،

دو شعر اور ہین،

ازراہِ کمالِ مہربانی　　اس گھر سے ہوئی یہ میہمانی

رکھّے دو شیر کو مقابل　　اس صاحبِ ذوق کا لیا دل

اس مین اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، کہ حضرت جبرئیلؑ نے آنحضرت صلعم کے سامنے دو پیالے پیش کئے، ایک مین دودھ اور دوسرے مین شراب تھی، آپنے دودھ کے پیالے کو لے لیا اور شراب سے انکار کر دیا،

فلکِ چہارم پر حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی کہا جاتا ہو کہ سب سے اول حضرت ادریس نے قلم سے لکھنا ایجاد کیا تھا، اس کا اظہار فلکِ چہارم کی سیر کی تمہید مین اس طرح کیا ہے،

بہرۂ خط عفو واہلِ عصیان　　فرزانہ شفیع پیش یزدان

فلکِ ہفتم کی سیر مین ایک شعر ہے،

کعبے کا سوادِ صفحۂ عین　　تشنگر فی نسخۂ ذبیحین،

اس مین اشارہ ہے اس حدیث شریف کی طرف "انا ابن الذبیحین" یعنی مین بیٹا دو ذبیحون کا ہون، ایک ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبد اللہ، مثنوی شفاعت و نجات مین بھی ایسی بکثرت مثالین موجود ہین،

تلمیحات کے علاوہ ایک اور عنصر جو محسن کی خصوصیت مین شمار ہونے کے لائق ہے انکی تشبیہات ہین، تشبیہ شعر کی جان ہے، جس طرح جسم بغیر روح کے مردہ ہے، اسی طرح شعر بغیر تشبیہ کے مکمل نہین، اس اعتبار سے محسن کی صرف ایک مثنوی صبحِ تجلی ان کو زندہ جاوید کرنے

کے لئے کافی ہے، اتنی لطیف اور رنگین تشبیہات کہین اور مشکل سے ہی ملتی ہین،

سبزہ ہے کنارِ آب جو پر　　یا خضر ہے مستعدِ وضو پر

نوبت ہو صدائے قربان کی　　تیاری ہو باغ مین اذان کی

محوِ تکبیر فاختہ ہے　　قدِ قامتِ سرو دلربا ہے

اک شاخ رکوع مین گئی ہو　　اور دوسری سجدہ مین جھکی ہو

سوسن کی زبان پہ مناجات　　جاری لبِ جو سے التحیات

تشبیہات کی یہ ندرت اور تسلسل محسن کا خاص حصہ ہے، چند مثالین اور ہدیۂ ناظرین ہین،

غنچے مین ہو خامشی کا عالم　　یا صومِ سکوت مین ہے مریم

غنچۂ ناشگفتہ کو مریم کہنا اور اوسکی خاموشی سے مریم کے "صومِ سکوت" کا خیال پیدا کرنا تشبیہ کو بالکل مکمل کر دیتا ہے جس سے پاکیزگی اور تقدس کی وہ فضا اور بڑھ جاتی ہے، جو صبحِ تجلی یعنی صبحِ ولادتِ رسول اللہ صلعم کے مناسب حال ہے، پھر اس سلسلہ کو یون جاری رکھا ہے،

کیاری ہر ایک اعتکاف مین ہو　　اور آبِ رواں طواف مین ہے،

....　　.........

سالک ہے چمن مین نہر موزون　　مجذوب ہے شاخ بید مجنون

ہے صوفیِ صاف دل صنوبر　　تحریکِ نسیم حالت آور

....　　.........

ہے استغراق نیلوفر کو　　پاس انفاس ہے سحر کو،

....　　.........

خلوت گہہ حسن ہے زمانہ — اور جلوۂ صبح شاہدانہ

ڈوبی ہوئی رنگ مین چمن کے — نکھری ہوئی روپ مین دلھن کے

ہے چاندنی ایک ماہ پیکر — سورج کھی آفتاب انور،

ہمارے خیال مین کسی دوسرے شاعر کی کسی ایک نظم مین اس قدر کثرت سے اور اتنی رقصان تشبیہات مشکل سے نکل سکین گی، قصیدہ مدیح خیر المرسلین مین بھی یہی شان جلوہ گر ہے،

جوگیا بھیس کئے چرخ لگائے ہی بھبوت — یا کہ بیراگی ہی پربت پہ بچھائے کمل

لہرین لیتا ہی جو بجلی کے مقابل سبزہ — چرخ پر بادلا پھیلا ہی زمین پر مخمل

جس طرف دیکھئے بیلے کی کھلی ہین کلیان — لوگ کہتے ہین کہ کرتے ہین فرنگی کونسل

چرخ پر بجلی کی چل پھر سے نظر آتا ہی — سبزہ چمکائے ہلاتا ہوا برچھا بادل

یہ تشبیہین شاعر کے اسلوب فکر، جدت اظہار اور مذاق شاعرانہ پر دلیل ہین، کیونکہ فطری اور سریع الفہم ہین، اور ان مین جدت و تازگی کی وہ شان ہے جو محسن کی خصوصیت ہے، اسے بھی محسن کا مخصوص امتیاز سمجھنا چاہئے، کہ ان کی مثنویون مین بھی قصیدے کا لطف آجاتا ہے، مثنوی صبح تجلی، چراغ کعبہ وغیرہ اس کی اچھی مثالین ہین، چراغ کعبہ کی تمہید مین بالکل تشبیب کی شان پیدا ہے،

ہے نام خدا سواد تحریر — واللیل اذا سجیٰ کی تفسیر،

دریا ہے روان ہے در نظم آج — یہ بحر خفیف بحر مواج،

جاتا ہے کلیم آسمان تک — معراج سخن ہی لامکان تک

خلوت گہہ دل ارم سرشتہ — پرواز طبیعت ایک فرشتہ

ہر گوہر قلزم تکلم — سیارۂ آسمان ہفتم

بلند آہنگی کا یہ سلسلہ پوری نظم مین جاری وساری ہے، یہ صحیح ہے کہ فارسی مثنویون مین مثنوی کے مضمون کی قید نہین، لیکن اس کا انداز بیان اور زبان مخصوص ہے، اردو مین مثنوی گو شعراء نے بالعموم عشقیہ اور بعض نے اخلاقی مثنویون پر بھی طبع آزمائی کی ہے، لیکن محسن نے اسے اپنے فن سے نئی اور لازوال دولت بخشی، مضمون اور زبان دونون کے اعتبار سے محسن کی مثنویان ہماری شاعری مین بیش بہا اضافے ہین،

قصیدے مین بھی محسن کسی باکمال سے پیچھے نہین رہے ہے، قصیدہ گوئی کا کمال تشبیب، گریز اور خاتمے سے پرکھا جاتا ہے، ان ہی تین چیزون کے بل پر سودا نے قصیدہ گوئی کے فن مین امامت کا درجہ حاصل کیا، اس مین محسن کے کمال کے اظہار کے لئے چند مثالین کافی ہین، قصیدہ مدیح خیر المرسلین کی تشبیب،

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل — برق کے کاندھے پہ لاتی ہی صبا گنگا جل

محسن کی قادر الکلامی کی بین دلیل ہے،

گریز کے لئے بیساختہ ہونا ضروری ہے، دیکھئے محسن کس استادانہ کمال کے ساتھ مدح پر آئے ہین،

ہان یہ سچ ہی کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار — ہوئی آئینہ مضمون کی دو چندان صیقل

روی معنی ہے بھٹکنے مین بھی اعلیٰ کی طرف — تاکتا ہی تو ثریا کی سنہری بوتل

اک ذرا دیکھئے کیفیت معراج سخن — ہاتھ مین جام زحل شیشۂ می زیر بغل

گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہان رکھا پاؤن — کہ تصور بھی وہان جا نہ سکے سر کے بھل

یعنی اس نور کے میدان مین پہنچا کہ جہان — خرمن برق تجلی کا لقب ہے بادل

تار باران مسلسل ہے ملائک کا ورود — پئے تسبیح خداوند جہان عز و جل

کہین طوبی کہیں کوثر کہین فردوس برین
کہین بہتی ہوئی نہرین نہرلبن و نہرعسل

باغِ تنزیہ مین سرسبز نہالِ تشبیہ
انبیا جسکی ہین شاخین عرفا کونپل

گلِ خوش رنگ رسولِ مدنی عربی
زیبِ دامانِ ابد طرۂ دستارِ ازل

خاتمہ مین کہتے ہین،

محسن اب کیجئے گلزارِ مناجات کی سیر
کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھر بادل

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل،

اسکے بعد مناجات کے نہایت پرتاثیر اشعار ہین،

محسن کا بقیہ کلام نعتیہ کلام کے علاوہ محسن کے سرمایہ مین چند غزلین، ایک ناتمام عشقیہ مثنوی نگارستانِ الفت، ایک مثنوی فغانِ محسن ایک قصیدہ واجد علی شاہ کی تعریف مین چہرہ شہنشاہی کے نام سے اور چند قطعاتِ تاریخ اور ہین، لیکن شاعری کے لحاظ سے ان کا درجہ کچھ بہت اونچا نہین، یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کا تخیل صرف نعت کی مقدس فضا مین بلند پروازی دکھاتا ہے، چنانچہ ان کی غزلین لکھنؤ کی عام شاعری کا نمونہ ہین، ان مین شاعر کی جدت، ذہانت اور طباعی کا کوئی غیر معمولی کمال نظر نہین آتا، اور بالعموم رعایت لفظی اور صنائع وبدائع کو دخل دیا گیا ہے، ایسا شاید اس وجہ سے ہو کہ یہ ابتدائی عمر کا کلام ہے، اور اس زمانہ مین چونکہ یہی روش عام تھی، اس لئے محسن نے بھی پہلا قدم اسی کی طرف اٹھایا، لیکن آخر مین تائیدِ الٰہی اور طبیعت کی رسائی وتازگی سے اپنی راہ الگ نکال لی، غزلون کا اندازہ ذیل کے انتخاب سے ہوسکتا ہے، پہلی غزل ہے،

ہے عیان جلوہ بتون مین بھی خدا کے نور کا
زاہد آنکھون مین لگائے سرمہ سنگِ طور کا

سر جھکا ئی ہم ہین وہ تلوار کو کھینچے ہوئے
یہ نیاز عاجز اور وہ ناز ہے مغرور کا

ہنسچون کی کتنی خاطر کی خدانے حشر مین
جرم ٹھہرا ٹوٹ جانا شیشۂ انگور کا

جب اٹھائین اسقدر دورِ فلک کی سختیان
حوصلہ پتھر ہو محسن دل سے چکنا چور کا

بعض اور اشعار ملاحظہ ہون،

آنکھ پر ٹھہری نظر مائلِ ابرو ہو کر
ہم پھرے کعبہ سوائے قبلہ تو منہ ہو کر

شب کا یہ جذبِ محبت کا تماشا دیکھا
شمع پروانے کے ساتھ اڑ گئی جگنو ہو کر

مبارک موکشو کس دھوم سے شورش ہی بالِ دل کی
خدا حافظ ہے توبہ کا صراحی بے طرح چھلکی

خدانے تل کیا پیدا لبِ رنگین جانان پر
تو گویا تیل چھڑکا آتشِ لعلِ بدخشان پر

صاحب غیر دن سمجھی خفا ہے
اور کیا مجھے آپ سے گلہ ہے،

فرہاد نہ پوچھ سختیِ ہجر
دن آج پہاڑ سا کٹا ہے،

دامن سے وہ پونچھتا ہے آنسو
رونے کا کچھ آج ہی مزا ہے،

ان کو کبھی خیال ہو میرا یہ وہم ہے
جاگین مرے نصیب یہ باتین ہین خواب کی

ہونے نہ پائی خشک بھی تردامنی مری
محشر مین دھوپ ڈھلنے لگی آفتاب کی

رباعیات البتہ زوردار ہین، بعض پر انیس کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے،

مولا کی نوازشِ نہان کھلتی ہے
عزت مری پیشِ قدسیان کھلتی ہے

کہدو کہ ملائک گوش برآواز رہین
مداحِ پیمبر کی زبان کھلتی ہے،

اک شانِ خدا ہے سید عالی جاہ
ملکِ قِدم وحدوث کا شاہنشاہ

جس دل پہ کھلی اس کی حقیقت محسن
بیساختہ بول اٹھا کہ اللہ اللہ

رہ جاؤگے ہاتھ زندگی سے دھوکر
پچھتاؤ گے اقربا تمھارے روکر

محسن کیا پوچھتے ہو چھوڑو گھربار
جنت کو چلے چلو مدینے ہو کر

مثنوی نگارستانِ الفت مین خالص لکھنوی مثنویون کی تمام خصوصیات موجود ہین،

زردی چھائی ہوئی رخسارون پر
سرسون پھولی ہوئی انگارون پر

مردنی چھائی ہے چہرہ دیکھو،
اپنی جاتی ہوئی دنیا دیکھو

کامدانی کا پہننا چھوڑا
لٹ گیا تیرا شہانا جوڑا

بند آنکھیں کئے روتے دیکھا،
رات ہم نے تجھے سوتے دیکھا

سو کہیں ایک نہ مانی آخر
مٹ گئی تیری جوانی آخر

چاندنی پچھلے پہر کی کب تک
روشنی شمعِ سحر کی کب تک

دلِ ناشاد کو رکھ قابو مین
نہ سہی یار نہ ہو پہلو مین،

مثنوی فغانِ محسن مین (جو ایک دوست کے قید ہو جانے پر لکھی گئی ہے) البتہ خلوص کے ساتھ جذبات نگاری کے مرقعے ملتے ہین،

یہ بیٹھے بٹھائے مجھے کیا ہوا،
تڑپنے لگا دل اچھلنے لگا،

مری چشمِ تر کا یہ کیا حال ہے
کہ دامن سے تا آستین لال ہے

مرا رنگ فق ہوتا جاتا ہے کیون
بدن خود بخود سنسناتا ہے کیون

مرے منہ پہ زردی سی کیون چھا گئی
چمن مین مرے کیون خزان آگئی

نہ کیا کیا ہوس زندگانی کی تھی
مگر موت آنی جوانی کی تھی،

کوئی دم مین دم ہی نکلتا ہے آج
کلیجا مرا کوئی ملتا ہے آج

چلی آتی ہین ہچکیان دمبدم
مجھے یاد کرتے ہین اہلِ عدم

اندھیرا مری آنکھون مین چھا گیا
جبین پر وہ دیکھو عرق آگیا

محسن کے تمام کلام کی نسبت صرف ایک بات کہنا اور باقی رہ گئی، یہ کلام کی شگفتگی ہے،

انیسوین صدی ہندوستان کی تاریخ کا ایک تاریک باب ہے، انقلاب اور خونریزی کی ظلمت مین سلاطین کی گداگری، شریفون کی پریشان حالی، شاعرون اور ادیبون کی ناقدری، امیرون کی بے سروسامانی اور غریبون کی فاقہ کشی کے بھیانک خواب نظر آتے ہین، اسی وجہ سے اس دور کے شاعرون کے کلام اور ادیبون کی تصانیف پر قنوطیت کا گہرا رنگ چڑھ گیا ہے، جسے پڑھکر طبیعت افسردہ اور مضمحل ہو جاتی ہے، امید کا دامن چھوٹ جاتا ہے، آرزو کی آخری کرن ڈوب جاتی ہے، لیکن محسن کے یہان افسردگی کی جگہ شگفتگی، ناامیدی کی جگہ یقین، تزلزل کی جگہ استحکام نظر آتا ہے، اور اس حیثیت سے وہ یقیناً اپنے معاصرین مین ممتاز ہین،

الغرض محسن کا کلام اختراعی فن کاری کا ایک نادر نمونہ ہے، اور لکھنوی ہونیکے باوجود لکھنو کے عام رنگ سے جدا ہے، جس مین شاعر کی شخصیت نے کمال خلوص و محبت کے خاکہ کو تصوف اور ہندیت کے رنگ سے آراستہ کر کے شاعرانہ صناعی سے مکمل کیا ہے، جس کی جدت جاذب اور جس کی مضمون آفرینی دلکش ہے، جہان حدیث و قرآن کی صحت کے لحاظ کے ساتھ مذاق شاعرانہ اور مذہبیت کا معتدل امتزاج نظر آتا ہے، جہان رکاکت اور ابتذال کی بجائے متانت تہذیب اور شائستگی کا جلوہ ہے، جہان فنی حیثیت سے تلمیحات، تشبیہات اور استعارات کا کمال بے نظیر ہے، جہان مثنویون مین قصیدون کا لطف ہے، جہان تشبیب اور گریز کے مضامین نو شاعر کی قادر الکلامی پر دلیل ہین، لکھنو کے دبستان شعر کا نادر ترین مرقع ہے،

تلخیص وتبصرہ

مغل یا مونگل

ذیل مین جناب شیخ عنایت اللہ صاحب دہلوی (مترجم چنگیز خان وتیمور) کی ایک تازہ تحریر درج کیجاتی ہے، جو گو مختصر ہے، لیکن پراز معلومات ہے، مغلون کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والون کے لئے اس کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا،

براعظم ایشیا کا نقشہ سامنے رکھئے تو معلوم ہوگا کہ سلطنت چین کے شمال مین دشتِ گوبی ہے اور دشتِ گوبی کے شمال مین کسی قدر مغرب کو جھکتی ہوئی بیکال کی جھیل ہے، اس بڑی جھیل کے اردگرد جو علاقہ ہے، اوسے ترانس بیکالیہ نقشون مین لکھا جاتا ہے، ترانس بیکالیہ کے جنوب مشرق مین منچوریا کا ملک ہے، یہ ملک اور ترانس بیکالیہ کے علاقہ کا زیادہ تر حصہ یا یون سمجھئے کہ دشتِ گوبی کے شمال مشرقی گوشہ سے ملا ہوا ملک سرسبز وشاداب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ وہان چھوٹے بڑے دریا، جھیلین، جنگل پہاڑ، وادیاں بکثرت ہین، اس سرزمین مین اور نیز دشتِ گوبی کے شمال مغربی حصون مین صدہا قبیلے یسون، ایماق، ایل والوس خانہ بدوش چارہ اور پانی کی تلاش مین آوارہ گرد رہتے تھے، بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ ان چھوٹے بڑے قبیلون کے ایک عظیم الشان مجموعہ کی خانہ بدوشی کے لئے یہی صحرا، جنگل اور وادیان مخصوص تھین، یہین یہ قبیلے اپنے خیمے نصب کرکے کچھ دنون قیام کرتے تھے، پھر حسب ضرورت بدل

دیتے تھے، دریاے اونان اور کلوران کے قرب وجوار مین قبائل مغل کی آوارہ گردی کا حال بعض تاریخون مین مذکور ہے، نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوگا، کہ دریاے اونان علاقہ ترانس بیکالیہ کے جنوب مین بہتا ہے، اور دریاے کلوران ترانس بیکالیہ سے بہتا ہوا کچھ دور تک دشت گوبی مین آیا ہے، منچوریا ترانس بیکالیہ اور دشت گوبی کے اور بہت سے قبائل جو خانہ بدوشی کرتے تھے، بعض کے نام یہ ہین، تاتار، نائمان، جنتان، قرایت، ایغور، دشت گوبی کے مغرب مین قراختائیون کی حکومت شروع ہوجاتی تھی، چنگیز کو ایغور اور قراختائیون کی پرانی ترکی قوم سے بتایا گیا ہے، غرض اس مجموعۂ قبائل مین وہ قبیلے تھے، جو اپنے کو مغل کہتے تھے، بعض محققون نے لفظ مغل یا مونگل کے متعلق لکھا ہے، کہ ابتدا مین یہ لفظ مونگ کو، منگ کو تھا، جس زبان کا یہ لفظ تھا، اوس مین اس کے معنی "جوانمرد" یا "روہیلی قوم والے" کے تھے، اصل اس قوم کی تنگوس یا قدیم ترکی سے تھی، تنگوس قوم کی نسبت خیال ہے، کہ وہ اور بھی شمال مین ملک سائبیریا مین کسی برفستان کی رہنے والی تھی، اور غالباً اسی برف کی رعایت سے روہیلی قوم کہتے تھے، مونگ کو قوی الجثہ دراز قامت خانہ بدوش تھے، بھیڑ بکری اونٹ اور گھوڑون کے گلوں پر گذر اوقات تھا، عمدہ چراگاہون اور چشمون کی تلاش مین صحرا گرد رہتے تھے، دشت گوبی اور اس کے شمال کی ہموار زمینین ان خانہ بدوشون کے رہنے کے مقامات تھے، مونگ کو وہی قوم تھی، جسے یونان کے پرانے مورخ ہیروڈوٹس نے ستھین لکھا ہے، اور یہ قرابت رکھتے تھے اقوام ہون اور آلان سے اور یہ ہون وہ تھے جنھون نے مغرب کی طرف یورش کرکے یورپ مین بڑی بڑی خونریزیان کی تھین۔

مدت ہوئی کہ چین کے لوگ انہی مونگ کو دون کو ہی انگ نو کہتے تھے، اور انہی تومون کی روک تھام کے لئے چینیون نے مشہور دیوار چین بنائی تھی، خلاصہ یہ کہ انہی مونگ کو دون کو

یونانیون نے سیتھین، رومادالون نے ہون یا ہونی اور چین کے لوگون نے انھین ہی انگ نو کہا، ہی انگ نو بالعموم وہ خانہ بدوش قومین تھیں، جو آپس مین ہمیشہ لڑتی بھڑتی رہتی تھین، یہ نہین بتا سکتے کہ کوئی جماعت یا قوم بجز قوم قرایت کے کوئی سیاسی حیثیت رکھتی تھی،

ایک سوال یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ کسی قبیلہ کا نام مغل کیونکر ہوا ؟

دسوین صدی عیسوی سے قبل غیر ملکون مین مغل کا نام کسی نے نہ سنا تھا، یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ کوئی قوم یا قبیلہ شروع ہی سے اپنا نام مغل رکھتا تھا، یہ بات نہ تھی، بلکہ ان مختلف قبائل ہی سے بعض رئیسون اور سردارون کا ذاتی نام مغل ہوتا تھا، جب کوئی ایسا سردار جس کا ذاتی نام مغل ہوتا، کسی قبیلہ کو اپنا مطیع و محکوم کر لیتا تھا، تو پھر اس قبیلہ کے کل آدمی بھی اپنے تئین مغل کہنے لگتے تھے، اور اس طرح ایک فرد واحد کا نام بہت سے افراد پر عائد ہونے لگتا تھا، اور ایسا پورا قبیلہ مغل کہلانے لگتا تھا، یہ خیال اسٹنلی لین پول کا ہے، یہ خانہ بدوش قبیلے اور قومین بالکل آزاد نہ تھین، بلکہ اپنے ہمسایہ چینیون، خطایون اور ترکون کی محکوم اور باجگذار تھین، صید و شکار کے علاوہ مویشی پال کر اسکی نسل بڑھاتے تھے، گوشت اور ترش دودھ جسے قمیز کہتے تھے، ان کی غذا تھی، جانورون اور کھالون کا تبادلہ، خطائیون چینیوں اور ترکون سے کر کے کچھ فائدہ کی صورت بھی پیدا کر لیتے تھے

عملی طور پر مغلون کی تاریخ کی ابتدا چنگیز خان سے ہوتی ہے، انہی خانہ بدوش قبیلون مین ایک سردار یسوکائی بہادر تھا، اوس نے اپنی قوت اور ذہانت سے بہت سے قبائل پر سرداری حاصل کر لی تھی، بہت سے قبیلون سے لڑ کر اپنے قبیلے مین شریک کیا اور بہترون کو بصلح و آشتی اپنا بنایا، مگر باوجود ان تمام کوششوںکے یسوکائی بہادر کے ماتحت لوگون کی تعداد چالیس ہزار خیمون سے زیادہ نہ تھی، یسوکائی بہادر نے جہان متعدد

چینیون کو اپنا مطیع کیا تھا، وہان سب سے بڑا کام یہ کیا تھا، کہ اپنے ماتحت قبائل کو چین کی حکومت سے آزاد کرا لیا تھا، ۵۷۱ھ ۱۱۷۵ء مین یسوکائی بہادر کا انتقال ہو گیا، اپنے بعد منجملہ دیگر اولاد کے ایک لڑکا چھوڑا، جسکی عمر ۱۳ برس کی تھی، اور نام اوس کا تموجن تھا، تموجن آگے چل کر چنگیز خان کے معزز لقب سے مشہور ہوا،

باپ کے چھوڑے ہوئے یہی ۴۰ ہزار خیمے تھے، جن کی بنیاد پر تموجن نے سلطنت کا وہ قصر عالیشان تعمیر کیا، جس کی مثال دنیا مین نہ تھی، باپ کی زندگی مین تموجن کو جو صرف ۱۳ برس کا کمسن لڑکا تھا، چنگیز خان کا لقب نہ ملا تھا، باپ کے مرنے پر دریائے اونان کے کنارے جو قبیلے خانہ بدوش رہتے تھے، اور زندگی مین باپ ان کا سردار تھا، اون پر تموجن حکومت کرنے لگا،

یہان ہمارا مقصد تموجن چنگیز خان کی فتوحات کا مفصل ذکر کرنے کا نہین ہے، صرف اتنا بتانا کافی ہوگا، کہ تیس برس تک گھر کے دشمنون سے کش مکش کے بعد جس مین اوسے کامیابی ہوئی وہ اپنے باپ کے قبائل اور ہمسایہ قبیلون پر باوجود سازشون کے جن مین دشمنون نے اوسے جان سے مار دینا چاہا آخر کار سب پر حاوی ہو گیا، اور موقع ملا کہ بیس برس زندگی کے جو باقی تھے ان مین ملک گیری اور کشورستانی کا شوق پورا کرے، اس شروع کے بیس برس کے زمانہ مین دشت گوبی کے شمال اقطاع مین خنگای کے پہاڑی سلسلہ سے لیکر جو منچوریا کے شمال مغربی گوشہ سے شروع ہو کر دشت گوبی میں دور تک آیا ہے، دریائے اونن تک جو مشرقی ترکستان کا دریا ہے، اور کوہ التائی سے نکل کر سائبیریا مین بہتا ہوا دریائے ادبی مین شامل ہو کر قطب شمالی کے بحر منجمد مین گرتا ہے تمام قبیلون اور قومون کو اپنا مطیع و منقاد بنایا انہی قومون اور قبیلون مین مشہور قوم قرایت کی تھی، قوم قرایت کا بادشاہ جس کا نام طغرل اور سلطنت چین کا عطا کیا ہوا خطاب ونگ خان تھا یسوکائی بہادر کی زندگی مین یسوکائی

سے بھائی چارہ رکھتا تھا، اور اسی تعلق سے تموجن بھی ان کی عزت کرتا تھا، ونگ خان نے تموجن
کے دشمنون کے کہنے مین آکر تموجن کے ساتھ بڑی بڑی دغابازیان کین، اور اس کے خلاف
سخت سازشین کین، بہرکیف جب قرایت کی قوم تموجن کی محکوم ہوگئی، تو ۱۲۰۶ء مین تموجن
نے ایک قوریلتای منعقد کی، اس قوریلتای مین تمام قبیلون اور ایل اولوسون کے سردار جمع ہوئے
اور مذہب شامان جو مغلون کا مذہب تھا، اس کا ایک موبد بھی آیا، اس شامان نے حاضرین
کے سامنے باواز بلند کہا، کہ آسمان (تنگری) تموجن کو ایسا بڑا لقب دینا چاہتا ہے، جو کسی سردار
اور رئیس کو حاصل نہین، آج سے وہ بجاے تموجن کے چنگیز خان کے لقب سے پکارا جائے،
چنگیز خان کے معنی خصوصیت کے ساتھ زبردست بادشاہ کے ہین، غرض ۴۴ برس کی عمر مین
قومون اور قبیلون ایل دالوس پر وہ حکومت قائم کی، جس پر اب کوئی اعتراض کرنے والا
یا مخالفت کرنے والا نہ تھا، تین برس کے بعد جب قوم ایغور بھی مطیع ہوگئی، تو چنگیز خان
نے چین پر فوج کشی شروع کردی، گو چین پر کامل فتح بجاے چنگیز کے اوسکے پوتے قوبلای
یا قوبیلای کی قسمت مین لکھی تھی، قوبلای خان فرزند تھا اکتائی خان کا، جو منجھلا بیٹا تھا چنگیز خان
کا اور باپ کے مرنے پر خاقانی پر باپ کا جانشین ہوا تھا، چین کی سلطنت کو چھوڑ کر چین کے
شمالی صوبجات مین مشرق کی سمت مین لیاؤتنگ کی اور مغرب مین تنگوت کی ریاست ہیا چنگیز خان
کی زندگی ہی مین سلطنت مغلیہ کی ماتحت یا باجگذار ریاستون مین شمار ہونے لگی تھین، اب
دنیا پر حکمرانی کرنے مین جو چیز سدراہ تھی، وہ مغرب کی سمت مین قراخطائیون کی ترکی حکومت تھی،

سلطنت قراخطای کی حدود ارضی آجکل کے مشرقی ترکستان سے مطابق ہوتی ہین
سلطنت قراخطای کے بادشاہون کو "گورخان" کہتے تھے، اور یہ سلطنت اپنی سرحد سے ملحق
ریاستہاے ایران و ماوراء النہر سے باج وصول کرتی تھی، مگر چنگیز خان اور اس کے لشکر نے

قراخطائیون کی حکومت تسلیم کرنے کی جگہ ان پر حملہ کردیا اور ثابت کردیا کہ مغلون سے کسی کا مقابلہ
کرنا قطعی بے کار ہے، اس کے کچھ زمانہ بعد چنگیز خان نے مشرقی ترکستان کے جنوبی شہرون
کاشغر، یارقند اور ختن پر بھی اپنا قبضہ جمایا، اور پھر قراخطائیون کے باقی ملک پر بھی قابض ہوگیا،
اب مغلون کی حکومت کی سرحدین اس سلطنت سے جا ملین، جو خوارزم شاہ نے اپنی قوت
بازو سے پیدا کی تھی، غرض اب خوارزم شاہ کی سلطنت مغلون کا نشانہ بنی، اور دنیا سمجھ گئی
کہ مغلون کو اپنی سلطنت سے دور رکھنا قطعی ناممکن ہے،

مغلون کا لشکر اب کئی بڑے حصون مین تقسیم ہوگیا، ایک حصہ لشکر کا خوارزم خراسان
اور افغانستان مین پھیل گیا، اور لشکر کا دوسرا حصہ آذربائیجان، گرجستان اور جنوبی روس پر
چھا گیا، تیسرا حصہ لشکر کا چین کے فتح کرنے مین بدستور مصروف رہا،

اسی زمانہ مین کہ فتوحات کی موجین مختلف اطراف مین بڑھ رہی تھین، چنگیز خان کا
انتقال ۶۲۴ھ (۱۲۲۷ء) مین ہوگیا، (اس تاریخ مین اختلاف ہے)

اب تک چنگیز خان اور اس کے بیٹون نے جن ملکون کو فتح کرکے اپنی حکومت وہان
قائم کی تھی، وہ بحر اصفر (سی آف جاپان) سے لیکر بحر اسود تک پھیلے تھے، اور اس حکومت
کی حدود ارضی مین وہ ملک اور قبیلے شامل تھے، جو مغلون نے چینیون، تنگوتون، افغانون
ایرانیوں یا ترکون سے چھینے تھے،

مغل سردارون مین دستور تھا کہ جب کوئی سردار مرتا تھا، تو اس کی اولاد
ذکور مین وہ قبیلے اور قومین تقسیم کردیجاتی تھین، جن پر سردار متوفی اپنی زندگی مین حکومت
کرتا تھا، یہ تقسیم متروکہ بجاے ارضی تقسیم کے قبیلی تقسیم ہوتی تھی، اور وجہ ظاہر تھی، چونکہ قبیلے
اور قومین خانہ بدوش صحرا گرد تھین اس لئے کوئی خاص ملک یا مقام بطور وطن کے ان کیلئے

مخصوص نہین کیا جاسکتا تھا، بس یہی طریقہ ایل ۱؎ اوس قومون اور قبیلون کی تقسیم کا ان مین جاری تھا،

غرض چنگیز خان نے بھی جس قدر قبائل اور قومین اوس کے زیر نگین تھین، اپنی اولاد مین اس طرح تقسیم کین کہ خاص خاص قبائل اور قومیں جو خانہ بدوش رہتی تھین، اور جس کے حدود ارضی کا جن مین وہ صحرانورد رہتے ہون کوئی واضح تعین نہین ہوسکتا تھا، ان مین سے کچھ کچھ ہر ایک فرزند کو دین، اور صدر خانیت کا جس کا خود مالک تھا، اس کے لئے بھی اپنا ایک جانشین مقرر کیا؛ اس صدر خانیت کے خان کو خان کہتے تھے، اور وہ تمام خانون اور قوم کے چھوٹے بڑے سردارون کا حاکم اعلیٰ سمجھا تھا، اس صدر خانیت کے خاقانون سے ہم چنگیز خان کی اولاد کی حکمرانی کا سلسلہ شروع کرتے ہین،

یہان یہ ذہن مین رکھنا ضروری ہے کہ چنگیز خان کے چار فرزند تھے، جن مین قومون اور قبائل کی تقسیم ہوتی تھی ان کے نام یہ ہین، (الف) جوجی خان سب سے بڑا بیٹا تھا، (ب) چغتائی خان منجھلا فرزند تھا (ج) اوکتائی خان سنجھلا بیٹا تھا، اور باپ کے مرنے پر بھی صدر خانیت کا خاقان ہوا (د) تولی خان، یہ سب سے چھوٹا بیٹا تھا،

چنگیز خان کی اولاد مین حکمرانی کے سلسلہ کو اس طرح بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے (۱) اوکتائی خان کا سلسلہ جو ملک زنگاریہ کے قبائل پر حکومت رکھتا تھا، اوکتائی خان کی اولاد سے خاقان اس وقت تک ہوتے رہے، جب تک کہ اس کی اولاد کا سلسلہ قائم رہا، اسکے بعد چنگیز خان کے سب سے چھوٹے فرزند تولی خان کی اولاد مین خاقانی منتقل ہوگئی (۲) تولی خان کا سلسلہ جو وطن یعنی منولستان کے قبیلون پر حکمران تھا، اوکتائی خان کی اولاد کے سقوط کے بعد تولی کی اولاد سے خاقان ہوتے رہے، یہانتک کہ چین مین منچوؤن کا راج ہوگیا، (۳) تولی خان کی اولاد

کی وہ شاخ جو ایران مین حکمران ہوئی، یعنی ہلاکو خان اور اوس کے بعد جو اوس کی اولاد جانشین ہوتی رہی، ان ہی کو ایل خان کہا گیا ہے، (۴) جوجی خان کا سلسلہ جو خانیت قبچاق کے ترکی قبیلون پر حکمران ہوا، اسی جوجی کی اولاد مین خانان سیر اوردو، اور خانان آق اوردو ہے، اور انہی سے خانیت استراخان قائم ہوئی اور اسی استراخان کی خانیت سے یورپ مین قازان، قاسیموف اور قرم کی خانیتین قائم ہوئین (۵) چغتائی خان کا سلسلہ، چنگیز خان کا یہ فرزند ماوراء النہر مین حکومت کرتا تھا،

اب ہم یہان ایک شجرہ بطور گوشوارہ کے دیتے ہین جس سے معلوم ہو گا کہ وہ حکمران خاندان کون تھے جن کی اصل چنگیز خان سے تھی، اور انھون نے ایشیا اور یورپ مین کہان کہان کتنی مدت تک حکومت کی،

چنگیز خان

جوجی خان — چغتائی خان — اوکتائی خان — تولی خان

اوردا — باتو — توقتا تیمور — شیبان — تیوال

مشرقی خانیت اوردا سنہ ۱۲۲۶ - سنہ ۱۴۲۸
خانیت قبچاق سنہ ۱۲۲۴ - سنہ ۱۳۵۹

زاران تیمن سنہ ۱۲۲۴ - سنہ ۱۶۵۹
خانیت بخارا سنہ ۱۵۰۰ - سنہ ۱۶۶۸
خانیت خیوا

خرق بردار سنہ ۱۴۲۸ - سنہ ۱۸۰۰
آخری خانیت قبچاق سنہ ۱۳۶۸ - سنہ ۱۵۰۲

خانیت استراخان سنہ ۱۴۶۶ - سنہ ۱۵۵۴
خانیت بلغاریہ عظمیٰ

خانیت قازان سنہ ۱۴۳۸ - سنہ ۱۵۵۲
خانیت قاسیموف سنہ ۱۴۵۰ - سنہ ۱۶۶۸
خانیت قرم سنہ ۱۴۲۰ - سنہ ۱۷۸۳

ایران کی ایلخانی سنہ ۱۲۵۶ - سنہ ۱۳۴۴
صدر خانیت چین یعنی شاہان یوان کی حکومت سنہ ۱۲۴۸ - سنہ ۱۳۷۰
منولستان کی خانیت صدر سنہ ۱۳۷۰ - سنہ ۱۴۷۰
قبائل متفرقہ سنہ ۱۴۷۰ - سنہ ۱۶۳۴

اوپر کے شجرہ مین کل تفصیل آگئی ہے، لیکن جن ناظرین کو شجرے کے دیکھنے مین زحمت معلوم ہوتی ہو، ان کے لئے ہم شجرہ کو معمولی عبارت مین لکھے دیتے ہین،

غرض ان چار فرزندون مین سے سب بڑے فرزند جوجی خان کے پانچ بیٹے تھے، اوردا[1]، باتو[2]، توقا تیمور[3]، شیبان[4] اور تیول[5]۔

اوردا کی حکومت شرقی خانیت کہلائی گئی یا اوسے آق اوردا کی حکومت کہتے تھے، اس کا زمانہ سنہ ۱۲۲۶ء سے سنہ ۱۴۳۸ء تک رہا، حکومت کا مقام دریاے دولگا سے مشرق کی طرف تھا،

باتو کی اولاد مین خاقان قپچاق ہوئے، انھون نے اپنے دارالحکومت سرائے سے سنہ ۱۲۲۴ء سے سنہ ۱۲۵۹ء تک یورپین روس کے بڑے حصہ پر حکومت کی،

توقا تیمور اکی اولاد نے بلغاریہ عظمی مین سنہ ۱۴۶۶ء سے سنہ ۱۵۵۴ء تک حکومت کی، بلغاریہ عظمی کی جانب سے جو یورپ مین واقع تھی، چار مختلف خانیتین پیدا ہوئین، ایک خانیت قازان جس کا زمانہ سنہ ۱۴۳۸ء سے سنہ ۱۵۵۲ء تک رہا، اور یوروپین روس کا مشہور شہر قازان اوس کا دارالحکومت رہا،

شیبان اکی اولاد سے خانان تمین جنھین زاران تمین کہتے تھے، ان کا سلسلہ چلا، (تمین کا شہر یورال کے پہاڑی سلسلے سے مشرق مین، مگر پہاڑی سلسلے سے قریب نقشون مین دکھایا جاتا ہے) زاران تمین کی حکومت کا زمانہ سنہ ۱۲۲۴ء سے سنہ ۱۶۵۹ء تک رہا، اسی شیبان کی اولاد سے توغائے خانان خیوہ اور خانان بخارا ہوئے، خانان خیوہ کا زمانہ حکومت سنہ ۱۵۱۵ء سے سنہ ۱۸۶۳ء تک، اور خانان بخارا کا دور حکومت سنہ ۱۵۰۰ء سے سنہ ۱۸۶۸ء تک رہا،

تیول جوجی خان کے اس فرزند سے سرداران توغائے اور خانان سائی بیریا

کا سلسلہ چلا،

اوکتائی خان چنگیز خان کے مرنے پر منغولستان مین خاقان ہوا اور مستقر حکومت قراقورم کا شہر تھا، اوس کی اولاد مین سنہ ۱۲۲۹ء سے سنہ ۱۲۴۸ء تک خاقان ہوتے رہے،

تولی خان چنگیز خان کے سب چھوٹے فرزند سے چین کی صدر خانیت کا سلسلہ چلا، منغولستان کی صدر خانیت کے علاوہ صدر خانیت تھی جو تولی کی اولاد نے چین مین قائم کی، جنھون نے مغلون کے ان خاقانون کو یوان خاندان کہا، زمانہ حکومت سنہ ۱۲۲۵ء سے سنہ ۱۳۷۰ء تک اسی تولی کی اولاد سے منغولستان مین سنہ ۱۳۷۰ء سے سنہ ۱۴۷۰ء تک خاقان ہوتے رہے، جب یہ خاقان نہ رہے تو حکومت مختلف قبائل مغل مین چلی گئی، اس تولی خان کی اولاد سے ایران کے ایل خانون کا سلسلہ چلا تو سنہ ۱۲۵۶ء سے سنہ ۱۳۳۴ء تک قائم رہا،

(باقی)

چنگیز خان

تاتاریون کے پہلے باقاعدہ فرمانروا چنگیز خان کے حالات اور کارنامون پر ہیرلڈلیب کی دلچسپ محققانہ کتاب کا اردو ترجمہ، مصنف نے اس مین تاتاری، فرنگی، عربی و فارسی ماخذون سے اس عجیب و غریب بادشاہ کے حالات مرتب کئے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیونکر اس وقت کی دنیاے اسلام پر چھاجانے کا مستحق ہوا، ترجمہ کی صحت اور خوبی کے لئے مولوی عنایت اللہ صاحب بی اے سابق ناظم دارالترجمہ عثمانیہ کا نام نامی ضمانت ہے،

معارف پریس کی بہترین لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ ضخامت ۲۴۲ صفحے،

قیمت :- ۱۲؍

مینیجر

اخبار علمیہ

غیر مسلمون کی بعض اسلامی تصانیف

برنارڈ لیوس نے فرقہ اسماعیلیہ کی ابتدا "The Origins of Ismailism" کے نام سے ایک کتاب کیمبرج یونیورسٹی پریس سے شائع کی ہے، اس میں فاطمیون کے تاریخی پس منظر کا مطالعہ کیا گیا ہے، اور اسلام کے ان متعدد فرقون کے عروج کا تجزیہ کیا گیا ہے، جن کے رجحانات اسماعیلی تحریک میں مدغم ہوگئے، مصنف کا خیال ہے کہ اسماعیلی تحریک کی ابتدا ایک ایسے فرقہ کی کوشش سے ہوئی جس کے خیالات اسماعیل بن جعفر سے ملتے جلتے تھے، اسماعیل اور محمد بن اسمٰعیل نے اس تحریک کو ترقی دی اس کے دوسرے ممتاز اور اہم رہنما ابو الخطاب میمون القداح اور عبد اللہ بن میمون تھے، مصنف کی یہ بھی رائے ہے کہ اسمٰعیل بن جعفر کے زمانہ سے خاندان فاطمیہ کے بر سر اقتدار ہونے تک ائمہ کی دو شاخیں تھیں، امام مستقر اور امام مستودع یعنی مستقل اور عارضی امام، موخر الذکر میمون القداح کے خاندان سے تھے، مصنف نے یہ بھی دکھانے کی کوشش کی ہے کہ فاطمیون میں قائم کے بعد جتنے خلفاء ہوئے، وہ علوی تھے، لیکن خلافت فاطمیہ کا بانی سعید مہدی علوی کے بجائے القداحی تھا،[1]

؎۱ خلافت فاطمیہ کا بانی تو عبید اللہ مہدی قداحی تھا یہ معلوم نہیں سعید سے کون مراد ہے، پھر قداحی بھی علوی ہو سکتے ہیں، کہ قداح عبد اللہ بن میمون کا لقب ہے، "م"

ایک دوسری کتاب بیروت سے شائع ہوئی ہے، اس میں اسلام اور عیسائی مذہب کے نفسیاتی اور تاریخی تعلقات دکھائے گئے ہیں، یہ کتاب اسلام اور مسلمانون کے متعلق عیسائیون کی خوش فہمیون اور اس روشن خیالی کے مجموعہ میں بھی ان کے متعصبانہ خیالات کا دلچسپ نمونہ ہے، اس کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے، کہ عیسائی اب تک مسلمانون کے مذہبی عقائد یا ان کے انفرادی اور معاشرتی کردار کا مطالعہ کرتے رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عیسائی مبلغین مسلمانون تک اپنا مذہبی پیام پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں لیکن اب ضرورت اس بات کی ہے کہ سامی قومون کی نفسیاتی خصوصیات اور رجحانات کا مطالعہ کیا جائے اسلام اور عیسائی مذہب کے عقاید کی نفسیاتی خلیج بہت وسیع ہے، سامی تخیلات مادی چیزیں ہوتی ہیں، اس لئے ان کے یہان روحیت کی تجسیم ہوسکتی ہے، ایک راسخ العقیدہ مسلمان کا خیال ہے، کہ روح ایک جسمانی چیز ہے، یعنی روحیت غیر روحی چیز ہے، ایک مسلمان کبھی یہ نہیں مان سکتا ہے، کہ خدا روح ہے یہ اوس کے لئے ایک نفرت انگیز چیز ہے چنانچہ اسلام اور عیسائی مذہب میں اساسی اختلاف سیاسیات عقائد، اور اخلاق کا نہیں، بلکہ روحیت کے تخیل کا ہے، ایک مسلمان کے لئے عیسائیون کے مذہبی اعتقاد اور اخلاقی معیار کو قبول کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی لیکن اس کے لئے یہ ناقابل فہم مسئلہ ہے کہ شخصیت یا وجود کا ظہور بھلائی، سچائی، خوبصورتی اور محبت میں کیسے ہوسکتا ہے، سامی ذہن میں وجود کا تخیل ہمیشہ جسمانی ہوتا ہے، اور اس خصوصیت کو نہ سمجھنے کی بنا پر عیسائیون نے ہمیشہ اسلام کا سطحی مطالعہ کیا ہے، اس لئے عیسائی اگر مسیح کی تعلیم مسلمانون تک پہونچانا چاہتے ہیں تو مسلمانون کو روحیت کی حقیقت سے روشناس کرنا چاہئے، اسلام ایک مذہب ہے، معتقدات کا، لیکن عیسائی مذہب نام ہے، عفو مصالحت اور جدید زندگی کے روحانی تجربات کا، عیسائی عقائد ذہنی اذعان نہیں بلکہ ذاتی تجربات ہیں،

اس کتاب مین عیسائیون اور مسلمانون کے سیاسی اور مذہبی تعلقات پر بھی تبصرہ ہے، اور مؤلف کو اس کا اعتراف ہے، کہ عیسائی حکمران اپنے مسلمان محکومون کے ساتھ نسبتہً زیادہ غیر روادار رہے ہین، مسلمان بادشاہون نے عیسائیون پر ظلم وستم کئے ہین، لیکن ان کا یہ فعل مذہبی تعصب کی جانب منسوب نہین کیا جا سکتا ہے، مؤلف کا خیال ہے کہ عیسائیون کے لئے ایک مشکل زمانہ آگیا ہے، اور مسلمان اپنی ترقی اور عروج کے لئے نئی قوتیں پیدا کر رہے ہین، اسلئے اب ضرورت اس بات کی ہے، کہ عیسائی مسلمانون کی نفسیاتی خصوصیات کو پیش نظر رکھکر انکی طرف ملتفت ہون،

ایک فرانسیسی اہل قلم نے عربی کا ایک لغت لکھا ہے، جس کا نام "نشوء اللغۃ العربیۃ و نموہا واختلافہا" ہے، اس مین عربی الفاظ کے اشتقاق، ماخذ اور تاریخ پر بحث کی گئی ہے، ایک عیسائی نومسلم علی بن ربان الطبری نے نوین صدی عیسوی کے وسط مین "کتاب الدولہ والدین" کے نام سے عیسائیون کے خلاف ایک کتاب لکھی تھی، یہ کتاب ۱۲۱۹ء کے لکھے ہوئے ایک قلمی نسخہ کی مدد سے مرتب کر کے ۱۹۲۲ء مین مع انگریزی ترجمہ کے شائع کی گئی تھی، اس کی اشاعت پر عیسائی مبلغون کو بڑی ناگواری ہوئی، اور اب ایک عیسائی اہل قلم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ مطبوعہ نسخہ ایک غیر مستند مخطوطہ سے مرتب کیا گیا ہے،

موجودہ جنگ مین برطانیہ کے اخراجات

ریوٹر کے ایک بیان سے معلوم ہوا ہے، کہ اکتوبر کے پہلے ہفتہ تک موجودہ جنگ مین برطانیہ ایک کرور تیس لاکھ پونڈ روزانہ خرچ کرتی رہی ہے، اس سال اب تک برطانوی پارلیمنٹ جنگی مصارف کے لئے دو ارب پونڈ کی رقم خرچ کرنیکی اجازت دے چکی ہے، ستمبر کے مہینہ

سات کرور اسی لاکھ پونڈ ہفتہ وار، اور ایک کرور دس لاکھ پونڈ روزانہ خرچ ہوا، ان مین نوے لاکھ پونڈ تو خالصۃً لڑائی مین اور بیس لاکھ پونڈ متفرق کامون مین خرچ کئے جارہے تھے، گذشتہ جون مین اخراجات کا اوسط ایک کرور دو لاکھ پچاس ہزار پونڈ تھا، جس مین اسی لاکھ پونڈ کی رقم لڑائی مین خرچ ہو رہی تھی، گذشتہ جنگ عظیم مین برطانیہ کے زیادہ سے زیادہ اخراجات اسی لاکھ پونڈ روزانہ تھے،

امن پسندون کی کانفرنس

ابھی حال مین امریکہ کے کیکرز (Quakers) کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی، اس کے اراکین نے موجودہ جنگ کے اسباب پر غور کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ دنیا مین امن کیسے قائم رہ سکتا ہے، ان کا خیال ہے کہ برسون کی خونریزی، ہلاکت اور بربادی کے بعد دنیا کو از سر نو تعمیر نہیں کیا جا سکتا ہے، امن کوئی ایسی شرط نہیں جو اس مین خلل ڈالنے والے کی شکست ہی سے پوری ہو سکتی ہے، بلکہ یہ ایک قوت آفرین طریقہ ہے، جس کے ذریعہ سے ناانصافی کو دور کر کے دنیا کی حالت بدل کر ساری برائیان دور کیجا سکتی ہین، اور امن کے اس نصب العین کی تکمیل کے لئے چھ چیزون کی ضرورت ہے، (۱) ثالثی فیصلہ (۲) تخفیف اسلحہ (۳) بین الاقوامی معاہدہ (۴) تمام قومون کو غیر ممالک کے بازار مین مساویانہ حقوق (۵) ہجرت کے قوانین تمام قومون کی بہبودی مین مساوات (۶) ان اقتصادی اور معاشرتی مسائل کا جن سے دوسری قومین متاثر ہون، بین الاقوامی مشورہ سے فیصلہ،

"ض ع"

ادبیات

وعظ جدید

از جناب اسد ملتانی

ہر مسلماں پر نمازِ پنجگانہ فرض ہے
تاکہ یہ باقاعدہ ورزش حیات انگیز ہو

غور سے دیکھیں تو روزے کا بھی مقصد ہے یہی
تندرستی کا سبب یہ عادتِ پرہیز ہو

مدعا یہ ہے جو اہلِ زر پہ واجب ہے زکوٰۃ
ہر ادارے کا خزانہ نقد سے لبریز ہو

اسلئے حج کے سفر کا ہے مسلمانوں کو حکم
تاکہ ان کا جذبۂ سیر و سیاحت تیز ہو

رسمِ قربانی کا بھی دراصل یہ مقصود ہے
مردِ مومن جنگ میں سنگین دل خونریز ہو

جنت و دوزخ سے ہے اک صورتِ امید و بیم
تاکہ یہ ذوقِ عمل کے واسطے مہمیز ہو

گو کہیں ہیں ہم اسی عقبیٰ کی جوئے شیر کے
جس سے دنیا ہی میں حاصل شوکتِ پرویز ہو

یوں نئے واعظ بیان کرتے ہیں اسکی حکمتیں
دین جیسے اک دروغِ مصلحت آمیز ہو

ماتمِ فانی

از جناب یحییٰ اعظمی

رہبرِ عالمِ باقی ہوئی جانِ فانی
آج ماتم کدہ ہے بزمِ جہانِ فانی

کام کر ہی گئیں آخر بادِ فنا کی موجیں
حیف خاموش ہوئی شمعِ زبانِ فانی

اٹھ گیا غم کدۂ دہر کا وہ مانیِ غم
کھینچ دیتا تھا جو تصویرِ جہانِ فانی

دے گا داد اس کی نواؤں کی جہانِ باقی
دارِ فانی میں کہاں مرتبہ دانِ فانی

میر و غالب سے کوئی خلد میں جاکر پوچھے
احترام و ادب و عظمتِ شانِ فانی

ہو گئی بزمِ سخن کیفِ اثر سے محروم
اب غزل میں وہ کہاں سوزِ نہانِ فانی

بزمِ امکاں میں کہاں سب کو وہ ہوتا ہے عطا
لذت اندوز تھی جس درد سے جانِ فانی

زہرِ غم اس کے لئے آبِ بقا سے بڑھکر
تھا یہی زندگیِ روحِ روانِ فانی

ترجمانِ غمِ ہستی ہی رہی تا دمِ مرگ
شعلۂ غم سے بجھی تھی جو زبانِ فانی

اس کا ہر نقش ہے سرچشمۂ صد موجِ حیات
نہیں مٹنے کا زمانہ سے نشانِ فانی

کارفرما ہیں فضاؤں میں جو اس کے نغمے
آج تک وجد میں ہے کون و مکانِ فانی

شورِ نشور

از

از جناب نشور واحدی

قامتِ دلربا پر شباب آگیا
یا سوا نیزے پر آفتاب آگیا؛

جب سے سمجھے کہ عہدِ شباب آگیا
آپ ہی آپ کچھ اجتناب آگیا،

دیکھتے دیکھتے انقلاب آگیا
قد مکمل ہوا اور شباب آگیا

جب لڑکپن گیا اور شباب آگیا
کچھ نگاہیں جھکیں کچھ حجاب آگیا

جاگی جاگی ان آنکھوں کا عالم نہ پوچھ
سامنے ایک جامِ شراب آگیا

اک نگاہِ محبت کی تخمیر میں
سب سمٹ کر جہانِ خراب آگیا

وہ چلے وہ بڑھے وہ جوان ہوگئے | چند لمحون مین یوم الحساب آگیا
جھوم اٹھی ایک ارماں بھری زندگی | جب ہوا مین جبین جب سحاب آگیا
رات دلکش ہوئی حسن محشر ہوا | جب کسی بام پر ماہتاب آگیا

آئیے آئیے اس طرف وہ نشور!
شاعرِ یادگارِ شباب آگیا،

حشرِ جذبات

از

ثاقب کانپوری

اب مجھ سے وجہ گریہ پیہم نہ پوچھئے | شرمندہ ہون گے آپ مرا غم نہ پوچھئے
جب التفاتِ حسن سو تھی بارشِ کرم | سرمستی و خوشی کا وہ عالم نہ پوچھئے
مین خود بھی جانتا نہیں میں چاہتا ہون کیا | مجھ سے میرا تخیل مبہم نہ پوچھئے
اپنی تباہیون کا کہیں ذکر کر نہ دون | للہ وجہ گریۂ شبنم نہ پوچھئے
حاصل تھا جس مین مجھکو سرورِ مئے نشاط | وہ لطف وہ عنایتِ پیہم نہ پوچھئے
ہون آپ ہی کے عشق و محبت سے اشکبار | آنکھین ہین میری کس لئے پرنم نہ پوچھئے
کانون مین آرہی تھی انا الحق کی یہ صدا | سرشاری خودی کا وہ عالم نہ پوچھئے

ثاقب کے کچھ عقائد مذہب ہی اور ہین
اس نے پیا ہے کس طرح زمزم نہ پوچھئے

مطبوعات جدیدہ

پاکستان اور مسلمان مولفہ جناب انیس الرحمن صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت مرقوم نہین، پتہ:- غالباً سورج بھون الہ آباد سے ملے گی،

یہ کتاب پاکستان کی نفی لغت مین لکھی گئی ہے، مؤلف نے اس مین پاکستان کی مختلف اسکیمون پر جواب تک سامنے آچکی ہین، مختصراً اور پنجابی اسکیم پر مفصل تنقید کرکے اسکی خامیان اور عملی دشواریان دکھائی ہین، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جغرافی اور تاریخی حیثیت سے ہندوستان ایک ناقابل تقسیم ملک ہے، اور یہان کے مسلمان اور ہندو سیاسی، نسلی اور کلچرل حیثیت سے ایک قوم ہین اور پاکستان کی اسکیم نہ صرف اقتصادی اور انتظامی حیثیت سے ناممکن العمل، بلکہ سیاسی حیثیت سے غیر دانشمندانہ اور مسلمانون کیلئے نہایت مہلک ہے، آخری بحث یعنی اقتصادی و انتظامی دشواریون اور مسلمانون کے حق مین اسکے برے نتائج کو واقعات اور دلائل وشواہد کی روشنی مین قابلیت کے ساتھ دکھایا گیا ہے البتہ کلچر کے اشتراک کی بحث نہ صرف اسلامی روح سے خالی ہے، بلکہ حقائق و واقعات کے اعتبار سے بھی غلط ہے، مؤلف نے موجودہ ہندوستانی کلچر کو بجنسہٖ اسلامی کلچر تصور کر لیا ہے، حالانکہ ہندوستانی مسلمان کا مذہب تک خالص اسلام سے بہت دور ہو گیا ہے، اس کلچر کو اسلامی کلچر قرار دینا اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کا ثبوت ہے، اس پہلو سے قطع نظر اس مین جابجا تاریخی غلطیان اور غلط فہمیان بھی ہین، "مثلاً اکبر کی انتہائی رواداری اور ہندو تہذیب سے عشق حضرت سلیم چشتی جیسے باکمال صوفی کے زیر اثر تھا ،...... اسلامی تصوف اور ہندو فلسفے کے میل جول سے جو تصوف

پیدا ہوا، اسکی پیداوار میر خسرو گرونانک اکبر اور داراشکوہ کی شخصیتیں ہیں..... سنگیت پریجات کو علمی جامہ اکبر کے زمانہ میں تان سین امیر خسرو اور سدا رنگ نے پہنایا..... بیرونی نے سنسکرت کی بیس نادر الوجود کتابوں کا ترجمہ کیا" اس قبیل کے اور بیانات میں پیچ در پیچ غلطیاں ہیں، اولاً کسی مذہب وقوم کے میل جول سے مسلمانوں میں جو چیز بھی ایسی پیدا ہو، جو اسلامی تعلیم کے خلاف ہو وہ قابل ترک ہے، اس کو کسی ثبوت میں نہیں پیش کیا جاتا، پھر مؤلف نے جو ثبوت پیش کئے ہیں، اس میں بھی غلط بیانی ہے، اکبر کی انتہائی رواداری اور ہند و تہذیب سے عشق کو حضرت سلیم چشتی سے کوئی تعلق نہیں، یہ اسکی بے دینی اور اسلام دشمنی کا نتیجہ تھا، اوس نے اسلام اور مسلمان دونوں کو جو نقصان پہنچایا، اوس کی تلافی آج تک نہ ہو سکی، داراشکوہ گو اکبر کی طرح دشمنِ اسلام تو نہ تھا، لیکن اس کی دینی گمراہی بھی اس سے کم نہ تھی، اگر اورنگ زیب نہ پیدا ہو گیا ہوتا، تو ان دونوں نے اسلام کو مسخ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، حضرت امیر خسرو ہندوستانی موسیقی میں ضرور کمال رکھتے تھے، لیکن اس کے علاوہ ان کو اور کسی نوع کی ہندویت سے کوئی علاقہ نہ تھا، وہ ایک سچے مسلمان اور پاک باطن صوفی تھے، گرونانک اسلامی تصوف اور ہندو فلسفہ کی پیداوار نہ تھے، بلکہ اسلامی توحید کی پیداوار تھے، اکبر کے زمانہ میں امیر خسرو کے سنگیت پریجات کو علمی جامہ پہنانے کی تحقیق بھی خوب ہے، دونوں کے درمیان صدیوں کا فرق ہے، ۷۲۵ھ میں امیر خسرو کی وفات ہوئی اور ۹۴۹ھ میں اکبر پیدا ہوا، بیرونی نے سنسکرت کی چند کتابوں کا ضرور ترجمہ کیا، لیکن ان کی تعداد بیس بتانا غلط ہے، اس قبیل کی اور غلطیاں بھی ہیں بہرحال کلچر اور قومیت کی بحث کو چھوڑ کر اور حیثیتوں سے کتاب بہت اچھی اور پر از معلومات ہے،

خطوط غالب (جلد اول) مرتبہ جناب مہیش پرشاد صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۴۰۰ صفحے، کاغذ سپید، ٹائپ بہتر قیمت مرقوم نہیں، پتہ ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد،

مرزا غالب کے خطوط اپنی جدت اور سادگی و پرکاری کے لحاظ سے اردو زبان میں سہل ممتنع کا درجہ رکھتے ہیں، اردو کے طرزِ انشا میں کتنے ہی تغیرات ہوں، لیکن ان خطوط کی بہار بے خزاں ہے، ان کی دلآویزی اور تازگی میں کبھی فرق نہ آئے گا، مرزا کے خطوط کے کئی مجموعے عودِ ہندی اردوئے معلّیٰ اور مکاتیب غالب شائع ہو چکے ہیں، اول الذکر کے کئی کئی اڈیشن نکل چکے ہیں، لیکن ان میں کتابت وطباعت کی غلطیاں بکثرت ہیں، بعض اڈیشن تو بالکل مسخ ہیں، پھر انکے خطوط میں تاریخی ترتیب کا التزام نہیں ہے، بہت سے خطوط میں سرے سے تاریخیں ہی نہیں ہیں، مکاتیب غالب مرتبہ مولوی امتیاز علی صاحب عرشی البتہ ان نقائص سے پاک ہے، لیکن اس میں حضرت والیان رامپور اور ان کے متوسلین کے نام کے خطوط ہیں، ان مجموعوں کے علاوہ غالب کے خطوط کی ایک معتد بہ تعداد ایسی ہے، جو ان میں سے کسی میں نہیں ہے، ان میں سے بعض خطوط کتابوں یا رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں، اور بعض اب تک لوگوں کے پاس قلمی موجود ہیں، جن کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی، منشی مہیش پرشاد صاحب نے جن کو غالب کے خطوط کے لفافوں تک سے شغف ہے، بڑی تلاش و محنت سے ان تمام متفرق خطوط کو جہاں تک مل سکے، حاصل کر کے اور ان تینوں مجموعوں کے خطوط کو ملا کر تاریخی ترتیب کیساتھ ۴۵۲ خطوط کا یہ جامع اور صحیح مجموعہ مرتب کیا ہے، کتاب کی ترتیب و تصحیح کی نظر ثانی ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے جن کی اس باب میں دیدہ وری اور ژرف نگاہی مسلم ہے، فرمائی ہے، جو کتاب کی صحت کی سب سے بڑی ضمانت ہے، موصوف کے قلم سے مکاتیب غالب کے مجموعوں اور ان کے مختلف اڈیشنوں کے حالات اور مرزا کے رسم الخط اور اس کے ضمن میں اردو کے مروجہ رسم الخط پر جو ڈاکٹر صاحب کا دلپسند موضوع ہے، مفید نقد و تبصرہ ہے، ان خطوط میں ان کی ادبی خوبیوں سے قطع نظر اردو فارسی نظم و نثر اور شعر و ادب اور اس عہد کے متفرق واقعات و حالات کے متعلق جن کی حیثیت اب تاریخ کی ہو گئی ہے، مفید معلومات ہیں، اس لئے یہ مجموعہ علمی اور تاریخی حیثیت سے بھی معلومات کا ایک قیمتی

ذخیرہ ہے، منشی ہیش پرشاد نے اسے مرتب اور اکیڈمی نے اُسے شائع کرکے اردو زبان کی گرانقدر خدمت انجام دی ہے،

اسلام اور مسیحیت

مولفہ مولینا ثناء اللہ صاحب امرتسری تقطیع اوسط ضخامت ۲۴۴ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عدر پتہ :۔ دفتر اہلحدیث امرتسر،

مسلمانون اور عیسائیون کے درمیان بحث ومناظرہ اور ایک دوسرے کے مذہب پر تنقید کا پرانا طریقہ عرصہ ہوا بند ہوچکا لیکن پنجاب کے دیسی عیسائی پیٹ کی خاطر اب بھی اس دھندے کو قائم کئے ہوئے ہین، چنانچہ پادری برکت اللہ صاحب نے اسلام پر مذہب عیسوی کی برتری کے ثبوت مین تین کتابین توضیح البیان فی اصول القرآن مسیحیت کی عالمگیری، ودین فطرت اسلام ہو یا مسیحیت لکھی ہین، اس مین یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ اسلام کے اصول فطرت کے خلاف ہین، ان مین عالمگیر ہونیکی صلاحیت نہین اصل دین فطرت مسیحی ہے، مولینا ثناء اللہ صاحب نے جن کا قلم پنجاب کے اکھاڑے مین شمشیر مجاہد کی حیثیت رکھتا ہے، ان تینون کتابون کے جواب مین اسلام ومسیحیت لکھی ہو، اور اپنے خاص انداز مین تینون دعوون کی پوری تردید کی ہے، اور بائبل سے موسوی اور عیسوی مذہب کی غیر فطری تعلیمات ان کی تنگی سختی اور درشتی اور اس کے مقابلہ مین اسلام کی فطری تعلیمات، ان کی سادگی سہولت اور وسعت کو دکھایا ہے، اور پادری صاحب نے اپنی کوتاہ نظری سے اسلام کی جن تعلیمات پر اعتراض کیا ہے، مولینا نے اوس سے زیادہ سخت تعلیمات بائبل سے پیش کردی ہین، جن لوگون کو مناظرہ کا ذوق اور اس قسم کے مسائل سے دلچسپی ہو، ان کے لئے اس کتاب مین کافی سامان ہو، ماشاء اللہ مولینا کا قلم اس بوڑھاپے مین بھی پورا جوان ہو لیکن یہ تعجب ہو کہ مولینا جیسے کہنہ مشق کے قلم سے بعض عام پنجابی غلطیان اب تک سرزد ہوتی ہین، جیسے "مین نے بکر سے سود لے لینا ہے"، صفحہ ۳۲، یا "اوس کے احکام کابل عمل ہین"، صفحہ ۲۹،

ہم نے اس کابل کو اپنی قابلیت سے پہلے کابُل پڑھا، غالبا یہ کاتب کی غلطیان ہین بعض مسائل جیسے چھ مہینہ دن اور چھ مہینے رات والی سرزمین مین روزہ کے عدم وجوب کے مسئلہ مین ہمین موءلف سے اختلاف ہے، حدیث دجال اقدس دھا جواب کی صحیح صورت تھی، قتل مرتد کے مسئلہ مین بھی اختلاف کی گنجایش ہے نقل اعتراض کے سلسلہ مین پادری برکت اللہ کی ایک عبارت ہو کہ "ذات الوہیم مین باپ بیٹا اور روح القدس تین اقنوم ہین، اور اس کے لئے متی ۱۸، ۱۹، کا حوالہ دیا گیا ہے" لیکن افسوس کہ متی کے اس حوالہ مین یہ مضمون کہین نہین، پادری صاحب کو اس مضمون کا صحیح حوالہ اگر موجود ہو تو ضرور بتانا چاہئے،

ٹیپو سلطان

مرتبہ محمد عبد اللہ صاحب بٹ بی اے آنرز تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۳۹ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عار، بے جلد عہ، قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور،

گذشتہ سال آل پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے ہندوستان کے مجاہد اعظم سلطان ٹیپو شہید کی یادگار مین یوم ٹیپو منایا تھا، اس مین سلطان کے متعلق مختلف مضامین پڑھے گئے، فیڈریشن کے سکریٹری جناب عبد اللہ بٹ نے ان مضامین کو کتابی صورت مین مرتب کردیا ہے، اس مین سلطان کے حالات اوس کے اخلاق وسیرت سیاسی وانتظامی قابلیت طرز جہانبانی اور سیاسی مجاہدات وکارنامون پر بہت سے مفید مضامین ہین، اور بعض انگریز مصنفین نے سلطان کے خون ناحق سے اپنی قوم کا دامن بچانے کے لئے سلطان کے خلاف جو الزامات لگائے ہین، خود انگریزون ہی کی تحریرون سے اس کی پوری تردید کی گئی ہے، اس مجموعہ کا کوئی مضمون فائدہ سے خالی نہین مولینا محمد علی صاحب ایم اے کنٹب مدراس جناب مہر وسالک عبد اللہ بٹ صاحب اور پروفیسر سلیم چشتی کے مضامین خاص طور سے پڑھنے کے لائق ہین ان کے مطالعہ سے سلطان کی سطوت وعظمت جہاد حریت اور اعلی دماغی صلاحیتون کی پوری تصویر نگاہ کے سامنے آجاتی ہو؛

صبح نشاط جناب اصغر حسین صاحب نظیر لدھیانوی تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت غیر مجلد ے مجلد للعہ پتہ فزل حسین خان اینڈ برادرز نیو اسٹریٹ لدھیانہ

سر اقبال مرحوم کے اثر نے پنجاب مین جن شعرار کو پیدا کیا ان مین ایک ممتاز نام جناب نظیر لدھیانوی کا ہے، وہ نئے دور کی پیداوار ہین، ان کا کلام شاعری کے نئے رجحانات کا نہایت اچھا ترجمان، اس کے محاسن کا حامل اور اسکی خامیون اور بے اعتدالیون سے پاک ہے انھون نے حال کو ماضی سے وابستہ اور ملک قوم اور وطن کو اپنے اپنے درجہ پر رکھا ہے، ان کی شاعری کا دائرہ نہایت وسیع ہے، چنانچہ صبح نشاط مین ہر رنگ و بو کے نہایت پاکیزہ اور ستھرے نمونے موجود ہین، جذبات نظرت بھی ہین معارفِ ملت بھی مناظر قدرت بھی ہین، مذہب وسیاست بھی، پند وموعظت بھی ہے، اور اخلاق وحکمت بھی حسن کی داستان بھی ہے اور عشق کی زبان بھی، غرض اس مجموعے مین شاعر کے ساز شاعری کا ہر نغمہ موجود ہے، قوم وملت نظیر کی شاعری کا خاص مرکز ہے اسلئے اس مجموعہ مین بھی عنصر غالب ہے اور اس سے متعلق ہر قسم کی قومی مذہبی اور تاریخی نظمین ہین، پورا مجموعہ خیالات کے اعتبار سے بلند وپاکیزہ اور شعری وادبی حیثیت سے اسقام شاعری سے پاک ہے چند فارسی نظمین بھی ہین

مسلمانون کی دنیا مسلمانون سید الطاف علی صاحب علوی تقطیع اوسط ضخامت ۴۵ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت معلوم نہین، پتہ نظامی پریس بدایون،

مولوی الطاف علی صاحب بریلوی ان اصحاب مین ہین، جو مسلم ایجوکیشنل کے فرائض منصبی کے ساتھ ساتھ علمی وادبی خدمت بھی کرتے رہتے ہین، ان کے قلم سے متعدد مفید کتابین نکل چکی ہین، "مسلمانونکی دنیا" انکا ایک اصلاحی افسانہ ہے اس مین مسلمانون کے عیوب انکے لغو مشاغل اخلاقی کمزوریون اور معاشرتی خرابیونکو دکھایا گیا ہے جس سے انکی اخلاقی تصویر نگاہون کے سامنے آجاتی ہے اس افسانے سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ قومی کام کرنیوالون کی کوششین رخنہ اندازیون کے باوجود بالآخر کامیاب ہوتی ہین (م)

"جلد ۴۸" ماہ شوال المکرم ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۱ء "عدد ۵"

مضامین